کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟

کے

پہلے اور اہم تین ۳ مضامین بسلسلۂ

تبلیغ

تبلیغ کی حقیقت

تین مضامین کا مجموعہ :-

پہلا مضمون! حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور تبلیغی تحریک
از مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب سندیلوی

دوسرا مضمون! طلب و احساس کی تبلیغ
از مولانا ابوالحسن علی ندوی

تیسرا مضمون! فریضۂ تبلیغ اور اس سے غفلت کے

چند اسباب ماخوذ من کتاب "مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج"

تبلیغ کی حقیقت :-

۱ :- حضرت مولٰینا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اور
تبلیغی تحریک - از حضرت مولٰینا حکیم محمد اسحٰق صاحب سندیلوی

۱ :- اسلام کی تاثیرات سے فائدہ حاصل کرنے کا طریقہ اور
۲ :- تبلیغ والے صرف چھ ہی اصول کو لئے کیوں پھرتے ہیں؟ اور
۳ :- تبلیغی اجتماعات میں تفصیلات دین کی تبلیغ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر سے کیوں گریز کیا جاتا ہے۔؟ اور
۴ :- تبلیغی تحریک سے صحیح واقفیت کا طریقہ وغیرہ مندرجہ بالا حقائق کے لئے مقالہ کا مطالعہ کیجئے :-

---

۲ :- طلب و احساس کی تبلیغ
از - حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

۱ :- تبلیغی جماعت میں کس بات کی تبلیغ کیجا رہی ہے؟
۲ :- میوات کے پسماندہ وسیع رقبہ میں عمومی انقلاب کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا؟
۳ :- تبلیغ میں باہر نکلنے سے کن کن فوائد کا ظہور ہوا؟
۴ :- کامل اصلاح کسے کہتے ہیں؟ اور کیا تبلیغ سے مکمل اصلاح ہوتی؟

ان تمام باتوں کا حل اس مضمون کے مطالعہ سے کیجئے!

۳۔ فریضۂ تبلیغ اور اس سے غفلت کے چند اسباب ماخوذ من کتاب "مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج"۔

پہلا سبب۱۔ اس فریضہ کو ہم نے علماء کے ساتھ خاص کر دیا
دوسرا سبب۲۔ ہم نے صرف اپنی اصلاح کو کافی سمجھ لیا ہے

اور سمجھ لیا ہے کہ دوسروں کے بگاڑ سے ہمیں کوئی نقصان نہ ہوگا
تیسرا سبب۳:۔ آج عوام و خواص، عالم و جاہل ہر شخص اصلاح سے مایوس ہو گیا ہے۔ چوتھا سبب۴: ہمارے نفس کا یہ بہت ہی بڑا دھوکہ ہے کہ جب ہم ان باتوں کے پابند نہیں ہیں۔ اور اس منصب کے اہل نہیں ہیں۔ تو ہم دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کریں؟ پانچواں۵ سبب: ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جگہ جگہ مدارس دینیہ کا قائم کرنا۔ علماء کا وعظ کہنا خانقاہوں کا آباد ہونا اور مذہبی کتاب کا تصنیف ہونا یہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔ چھٹا۶ سبب:۔ اس اہم فریضہ کے ادائیگی کے وقت لوگوں کا بُری طرح پیش آنا اور سختی سے جواب دینا اور ہماری توہین و تذلیل کرنا رکاوٹ کا باعث بنجاتا ہے اِن امور کی وضاحت کے لئے رسالہ "فریضۂ تبلیغ اور اس سے غفلت کے چند اسباب" کے مطالعہ کیجئے!!!

مضمون اوّل

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

اور

تبلیغی تحریک

:- حضرت مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب سندیلوی :-

اسلام چشمۂ آبِ حیات[1] ہے مگر اس کی حیات بخش[2] تاثیرات کو وہی حاصل کرسکتا ہے جسے اسکی پیاس بھی ہو ۔

روح تبلیغ

آج خانقاہوں کی رونق کیوں ختم ہوگئی ہے؟ مدارس کی چہل پہل کہاں باقی رہی؟ مکاتب کا قیام کیوں مشکل ہوگیا؟ مساجد کیوں نوحہ خواں ہے؟ وعظ کی مجلسیں کیوں سونی ہیں ۔ دینی کتابوں کا بازار کیوں سرد ہے؟ ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب دیا جا سکتا ہے ۔ یعنی دین کی طلب امّت مسلمہ میں کم ہوگئی ہے ۔ حق تعالےٰ نے امت کی اس بیماری کی تشخیص اور اس کے علاج کا کام حضرت مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ سے لیا ۔ ان کی پوری تحریک کی روح یہی ہے کہ امت میں دین کی طلب پیدا کی جائے ۔

[1] وہ پانی جس پر زندگی کا دارومدار ہے [2] زندگی بخشنے والا

صحیح معنی میں تحریک

مولانا قدس سرہٗ کی تحریک جو آج دنیا کی سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے اور تقریبًا ساری دنیا میں پھیل چکی ہے صحیح معنی میں تحریک ہے یعنی اسکا مقصد طلب دین کے جذبے کو حرکت میں لانا ہے اسکا طریق کار صحیح نفسیاتی اصول پر مبنی ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ صورتِ طلب حقیقت طلب پیدا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک متحرک دینی ماحول باطن کی انہیں قوتوں کو ابھارتا ہے۔ جن کا میلان دین وایمان کی طرف ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ کی اس مصنوعی طلب سے حقیقی طلب پیدا ہو جاتی ہے اس کے بعد طالب خود ہی اپنے مطلوب کی راہ سوچتا ہے۔ اگر عملیت غالب ہے تو خانقاہ کی راہ لیتا ہے یا مشائخ کی صحبت اختیار کرتا ہے قوت نظری کا غلبہ ہے تو مدرسہ کی طرف رخ کرتا ہے یا علماء ربانیین سے تعلق پیدا کرتا ہے یہ تحریک پیاس پیدا کرتی ہے اور آبِ حیات کی طرف اشارہ کردیتی ہے پیاسا خود بڑھکر جام اٹھاتا ہے۔ اور اپنی پیاس بجھانیکی کوشش کرتا ہے یہ تحریک دلوں میں شعلہ پیدا کرتی ہے۔ جس کا التہاب خود انسان کو مطلوب کی طرف لیجاتا ہے۔

اعتراضات

یہ ہے ماحصل مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا جو تبلیغی تحریک کے نام سے مشہور ہوگئی ہے جو میرے نزدیک

اس کا صحیح نام نہیں ہے۔ اس نام کیوجہ سے بڑے کام کی حقیقت
نہ جاننے کیوجہ سے بہت سے مخلص حضرات کو بھی اس تحریک کے بارے
میں اشکالات وشبہات پیش آتے ہیں۔ مثلاً بعض حضرات کو یہ
اعتراض ہے کہ اس طریق کار سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ دین کا انحصار
انھیں چند اصولوں میں ہے جن کی اشاعت یہ جماعت کرتی ہے
حالانکہ یہ حضرات اگر غور کریں تو یہ اعتراض بے بنیاد نظر آئے گا
ان اصولوں کو صحیح طلب دین پیدا کرنے میں بہت بڑا دخل ہے
اسلئے انھیں پر زور دیا جاتا ہے۔ کہ تعلیم دین سرے سے
تحریک کا اصل موضوع ہی نہیں ہے۔ جو ان میں دین کے انحصار
شبہہ واقع ہو اسیطرح بعض حضرات کا یہ اعتراض بھی غلط اور
ناواقفیت پر مبنی ہے کہ تفصیلات دین کی تبلیغ اس کے اجتماعات
میں نہیں کی جاتی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے گریز کیا جاتا
ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ امر ونہی اس تحریک کے اصل موضوع سے
خارج ہے۔ لیکن اس کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں خلاصہ یہ ہے
کہ اس قسم کے اعتراضات درحقیقت حقیقت تحریک سے ناواقفیت
پر مبنی ہوتے ہیں۔

تبلیغی تحریک سے صحیح واقفیت

میں پورے وثوق اور شرح صدر کیساتھ کہتا
ہوں کہ جو شخص اس تحریک کی حقیقت سے واقف
ہوگا وہ اس میں کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہ پائے گا اور واقفیت

کا طریقہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک اس میں عملاً شرکت کیجاتے اس کے بعد اس کی حکیمانہ ساخت اور دقیق ترکیب سے اسے واقفیت ہو سکتی ہے طلب دین کا شعلہ دل میں بھڑکانے کے لئے اس تحریک سے کم از کم معتد بہ عرصہ تک وابستگی بہت ہی مفید و نافع بلکہ بہت سے اشخاص کے لئے ضروری ہے۔ حقیقت تبلیغ صفحہ ۳۰

مضامین نمبر ۲ — مضمون ثانی :- ۲

طلبُ واحساس کی ۔۔۔۔ تبلیغ

[یہ مضمون رسالہ "ایک اہم دینی دعوت" سے ماخوذ ہے یہ رسالہ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کا مرتب کیا ہوا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے حیات میں یہ رسالہ لکھا گیا تھا جسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت پسند فرمایا تھا۔ جسے ہم نے اصل کتاب سے نقل کیا ہے مفصّل مضامین کے لئے ۔۔۔۔۔۔۔۔

کتاب "ایک اہم دینی دعوت کا مطالعہ کیجئے۔]

قیمت صرف ایک روپیہ ۔ /۱

(صفحہ ۲۶ سے صفحہ ۲۸ تک) پھر (صفحہ ۴۰ سے صفحہ ۴۱ تک) پھر (صفحہ ۵۲ سے صفحہ ۵۵ تک)

:- طلب واحساس کی تبلیغ :-

اسوقت سب سے ضروری تبلیغ طلب کی تبلیغ ہے مسلمانوں میں مسلمان ہونیکا احساس پیدا کرنیکی ضرورت ہے اور دین سیکھے بغیر نہیں آتا اور دنیاوی ہنر سے زیادہ اس کے سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے احساس اور یہ طلب اگر پیدا ہوگئی تو باقی مراحل و منازل خود طے ہوجائیں گے۔ اسوقت کے مسلمانوں کا عمومی مرض ہے بے حسی اور بے طلبی۔ لوگوں نے غلط فہمی سے سمجھ لیا ہے کہ ایمان تو موجود ہی ہے۔ اسلئے ایمان کے بعد جن چیزوں کا درجہ ہے ان میں مشغول ہوگئے۔ حالانکہ سرے سے ایمان پیدا کرنے ہی کی ضرورت باقی ہے سلف اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی کوششوں سے جو دینی احساس اور طلب پیدا ہوئی تھی گذشتہ صدیوں کی دینی رونق اسلام کی ترقی اور فروغ اسی کی برکت ہے اس زمانہ میں بھی جو کچھ رہی سہی۔ اسلامیت، دینداری، اسلامی ادارے اور دینی مظاہر نظر آتے ہیں۔ تمامتر اسی طلب واحساس کا نتیجہ ہیں۔ جو مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت و کوشش صحابہ کرام وسلف صالحین کے جہاد و قربانی اور تبلیغ و تلقین سے پیدا ہوئی تھی۔ صدیوں سے یہ سرمایہ خرچ ہو رہا ہے اور

مدتوں سے اس میں اضافہ ہونا موقوف ہوگیا ہے اندیشہ ہے کہ اگر یہ سرمایہ بغیر آمد و اضافہ کے خرچ ہوتا رہا تو ایک روز بالکل ختم ہو جائیگا۔

طلب و احساس کی کمی کے نتائج۔

دینی مدارس کو طالب علم مسجدوں کو نمازی اسی لئے مل رہے ہیں کہ مسلمانوں میں ابھی اپنے مسلمان ہونیکا احساس اور دین کی طلب کچھ باقی ہے۔ جس روز یہ رہی سہی طلب اور بچا کھچا احساس جاتا رہا مدارس بھی سونے ہوں گے خانقاہوں میں بھی سناٹا اور مسجدیں بھی خدانخواستہ ویران نظر آئیں گی چنانچہ اس طلب و احساس کی کمی کے جا بجا آثار و نتائج نظر آرہے ہیں۔ اور خطرہ بڑھ رہا ہے سب سے زیادہ فکر اس سرمایہ میں اضافہ یا اس کی حفاظت کی ہونی چاہئے دینی حلقوں اور مرکزوں کو مطمئن نہیں ہونا چاہئے کہ ابھی آدمی مل رہے ہیں۔ جب ذخیرے سے برابر خرچ ہوتا رہے اور آمد نہ ہو اگر سمندر ہو ایک دن میں خرچ ہو جائیگا۔ کلمہ کی تبلیغ اس کے مفہوم و معنیٰ کی تفہیم اور اس کے مطالبات اور تقاضے کی تذکیر سے مقصود مسلمانوں کو مسلمان ہونیکا احساس دلانا ہے اور دین کی طلب پیدا کرنا ہے۔ مسلمانوں کی اس وسیع آبادی میں احساس و طلب پیدا کرنیکا ذریعہ یہی ہے کہ ان سے کلمہ سنا جائے کلمہ کے معنیٰ و مفہوم بتائے جائیں۔ اور سمجھایا جائے کہ خدا کی۔

بندگی وغلامی اور رسول کی تابعداری کا اقرار ان سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اسکا طریقہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ کسی محدود و مخصوص جماعت کے بجائے عام مسلمانوں میں کوشش کریں اس لئے کہ اگر کروڑوں کیواسطے لاکھوں نہیں اٹھیں گے تو کسطرح کام ہوگا۔ نہ جاننے والے کتنے کروڑ ہیں جاننے والے اتنے لاکھ نہیں

اعتراض واختلاف

اعتراض واختلاف اس طریق[1] پر ممنوع ہے کسی کو کسی غلطی سے روکنے کے بجائے صحیح چیز میں لگانیکی کوشش کیجائے دین کے اصول متفق علیہ کے علاوہ کسی جزئی اور اختلافی چیز کو علماء کے خصوصی مشورہ اور ماتحتی کے بغیر نہ چھیڑا جائے۔ اور لوگوں کے نہ سننے پر غضبناک و مشتعل نہ ہو لوگوں کی طرف سے عذر تلاش کرے۔ اور ان کی طرف سے اچھی توجیہہ کرے ان کی باتوں کو اچھے محمل پر حمل کرے لیکن اپنی سرگرمی دعاء اور طلب میں کمی نہ کرے لوگوں کے نہ سمجھنے پر ان کے فہم کے بجائے اپنی تفہیم (سمجھانے) کا قصور سمجھے جو لوگ جتنے زیادہ دینی کام میں اور لطیف مشاغل میں مشغول ہیں اسی قدر ان کا اپنے کاموں کو چھوڑ[2] کر دوسرے کام کو قبول کرنا۔ ان کے لئے دشوار ہوتا ہے کہ نورانی حجابات ظلمانی[3] حجابات[4] سے زیادہ حاجب[5] ہوتے ہیں

[1] راستہ [2] الگ کر [3] اندھیرا [4] پردہ [5] روکنے والا۔

اسی لئے بقاعدہ ۔ فاعن دھم آشفھم جبنا ! ان کو الزام نہ دے لیکن کوشش میں لگا رہے ۔ اور اپنے دل میں سمجھے کہ جب اہل دنیا مشاغل و مالوفات کو دنیا سمجھتے ہوئے نہیں چھوڑ سکتے تو اہل دین اپنے مشاغل و مالوفات کو دین کو بادر[1] کرتے ہوئے کیسے آسانی کے ساتھ ترک کر دیں ۔ پھر اپنی طرف سے پوری کوشش صرف کرنے کے بعد اپنی کوتاہی اور تقصیر کا اعتراف کرے اور عمل کو توبہ و استغفار و اعتراف تصور پر ختم کرے ۔

تو مطلب یہ ہوا کہ اہل دین اپنے مشاغل دینیہ کو ترک کر دیں اسی طریقہ محنت میں لگ جائیں

ایک عملی مثال

میوات اس طرز تعلیم اور اصلاح و تربیت کی ایک کامیاب تجربہ گاہ ہے یہ علاقہ دہلی کے جنوب میں انگریزی رقبہ اور تعداد کے ہندو ریاستوں کے حدود کے اندر پھیلا ہوا ہے ۔ مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ کم از کم ۳۰/۴۰ لاکھ ہے خدا جانے اسلامی تاریخ کے کس عہد میں اس راجپوت قوم نے اسلام قبول کیا لیکن دار السلطنت سے اس قرب کے باوجود بے توجہی اور کس مپرسی کے عالم میں پڑی رہی بے ترتیبی اور جہالت کی وجہ سے غارتگری کشت و خون اور رہزنی اس کی قومی خصائص[2] میں داخل ہو گئی ۔ اور

---

[1] خیال [2] فطرت

اسکا شمار ہندستان کے جرائم[1] پیشہ[2] اقوام میں ہونے لگا۔ مسلمانوں کی بے توجہی سے یہ بہادر مہمان نواز شریف اور باحمیت قوم ضائع ہورہی تھی اور اس کے یہ عربی خصائل بے محل صرف ہورہے تھے تبلیغ اور دینی تعلیم کے فقدان[3] کیوجہ سے اس کو رفتہ رفتہ اسلام سے صرف اتنا تعلق رہ گیا تھا کہ اس کو ابھی اپنے مسلمان ہونیکا اقرار تھا نام تک غیر مسلمانوں کے سے تھے مشرکانہ عقائد واعمال اور ہندوانہ رسوم وعادات زندگی کا جز بن گئے تھے ہر ہر قبیلہ کا ایک روحانی محافظ ونگراں تھا جسے کھرا دیوت (اله القبیلة) کہتے تھے ضروریات دین سے واقف کوسوں تک ڈھونڈھنے سے نہیں ملتا تھا کلمہ کے لفظ سے ناآشنا اور نماز کی شکل تک سے بیگانہ ہوگئے تھے۔ اس قوم کی تعلیم وتربیت اور اس وسیع وپیمانہ رقبہ میں عمومی انقلاب حال کا کیا ذریعہ تھا، پہلا خیال یہی ہوگا کہ دینی مکاتب اور مدارس قائم کئے جائیں لیکن فرض کیجیے کہ اتنے بڑے کام کے لئے وہ عظیم الشان سرمایہ فراہم ہوجائے جو اس تاریک اور غریب خطہ میں اتنی بڑی تعداد میں مدارس اور مکاتب قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے تو کیا مدارس ومکاتب ایک ایسی قوم میں انقلاب پیدا کر سکتے تھے جس کو اپنے مشاغل زراعت وتجارت سے اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ تعلیم حاصل کرے

---

[1] گناہ [2] کام [3] کمی ۔

اور نہ اس کو علم کی اتنی قدر اور طلب تھی کہ وہ اپنے بچوں کو ضروری کاموں سے چھڑا کر مدرسوں میں تعلیم دلاتے اور اگر یہ سب ہو بھی جاتے تو اس ذریعہ سے اس قوم میں کتنی مدت میں اصلاح و انقلاب کی امید کیجا سکتی ہے۔ اسکا تجربہ بھی کیا گیا میوات میں مکاتب و مدارس قائم کئے گئے مگر اوّل تو خود ان کے فارغ شدہ طلباء اسلامی سیرت و اخلاق کے نمونہ نہ تھے اور ان اسلامی انقلاب و تغیر کے بارے میں کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی تھی ثانیاً وہ اس تاریک غیر دینی ماحول میں جاکر ایسے کھوئے جاتے تھے کہ خود ان کا کوئی نشان نہیں ملتا تھا جہالت و غفلت کے اس خاموش سمندر میں چند افراد کا پڑھ لکھ جانا کیا حرکت پیدا کر سکتا تھا فضا کی تبدیلی اور عمومی احساس اور دین کی عزت و احترام کے بغیر چند انفرادی تغیرات کچھ مؤثر اور مفید ثابت نہیں ہوئے۔

صحیح محنت اور اسکا طریقہ

اسوقت اس قوم کی اصلاح و انقلاب کا وہی طریقہ اختیار کیا جو ابتدار اسلام میں اختیار کیا گیا تھا۔ یعنی اس قوم میں باہر سے کوئی کوشش کرنے کے بجائے اس قوم سے اپنی قوم میں کام لیا گیا۔ اور محدود کتابی و مدارسی تعلیم کے بجائے عام دائرے میں تعلیم کو جاری کیا گیا اور ان کو اپنے مسلمان ہونیکا اقرار تھا اس اقرار سے فائدہ اٹھایا گیا ان کو بتایا گیا کہ دین سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور زندگی کی ہر

ضرورت سے بڑھکر ضرورت ہے۔ اور دین اس کے بغیر نہیں آسکتا کہ وہ اس کے طالب بنیں۔ اپنے مشاغل زندگی سے وقت نکالیں اور جہاں دین اور علم دین ہے وہاں ایک معتد بہ زمانہ کے لئے جماعتیں بنا کر جائیں۔ اور صحبت و رفاقت، خدمت و جدوجہد سے دین کا علم حاصل کریں۔ اس حقیقت کا انہوں نے ادراک کر لیا گیا کہ اپنے آبائی ماحول اور اپنے دائمی مشاغل سے دور رہکر ایک مقصد کے لئے سرگرداں بنا دیا گیا ان کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ ہر ہفتہ کچھ وقت کے لئے اپنے ماحول میں ضروریات دین (کلمہ نماز) کی تبلیغ کریں اور باقاعدہ جماعتیں بنا کر ایک امیر اور ایک نظام کی ماتحتی میں اپنی جگہ اور قرب و جوار میں گشت کریں اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تبلیغ میں خود ان کی تربیت اور دینی پختگی ہوئی۔ اور اس پورے ملک میں نہایت سہولت کے ساتھ کلمہ اور نماز کی تبلیغ ہو گئی جو کہ برسہا برس میں بڑے سے بڑی تبلیغی عملہ سے ممکن نہ تھی۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ کم سے کم چار مہینے کے لئے دین سیکھنے کو اپنے گھر سے نکلیں اور ان مرکزوں میں جائیں جہاں دین اور علم دین ان کے یہاں سے زیادہ ہے اس وقت کو کام میں لانے کے لئے تعلیم و تعلم کا ایک نظام بنا دیا گیا وہ ایک خاص وقت میں تبلیغ کے لئے بھی نکلتے ہیں اور جتنا جانتے ہیں دوسروں کو بتلاتے ہیں

مطلب سمجھنا۔

اس میں بھی فائدہ اس سے زیادہ ہے جو اپنے ماحول میں تبلیغ کریگا
ہے ان کے ذریعہ سے کلمہ اور نماز کی بڑے پیمانہ پر اشاعت
ہوتی ہے ان کے اتنے دور سے آنیکی وجہ سے عام شہری اور
دیہاتی مسلمانوں میں دین کا احساس اور اس کی اہمیت پیدا
ہوتی ہے کہ دین ایسی چیز ہے کہ اس کے سیکھنے کے لئے
یہ اللہ کے بندے اتنی دور دراز سے تکلیفیں اٹھاکر آتے ہیں ان
کو اپنے نقائص اور دین سے جہالت اور غفلت کا بھی احساس
ہوتا ہے اور یہ خود ان کی پختگی اور تربیت کا سامان ہے اور اس
تبلیغی محدود وقت کے علاوہ ان کے لئے تعلیم کا پورا نظام
ہوتا ہے ہر جماعت میں ایک معلّم[1] یا متعدد معلّم ہوتے ہیں جو انکو
قرآن مجید پڑھاتے ہیں۔ نماز کے ارکان و مسائل بتاتے ہیں
قرآن مجید کے ارکان و حروف کے اداکرنے کے لئے مخارج کی
صحت کراتے ہیں۔ صحابہ کرام کے ایمان افروز اور سبق آموز
واقعات وحالات کتابوں سے پڑھکر سناتے ہیں اور اس سے
عین اسلامی جذبات کی پرورش ہوتی ہے۔

تبلیغی سفر کا بڑا فائدہ اس ایک سفر کا وہ فائدہ ہوتا ہے جو اپنے ماحول میں برسہا برس کی کوششوں اور مدارس اور خانقاہوں کے مہینوں کے قیام میں نہیں ہوتا چنانچہ

[1] سکھلانیوالا۔

لوگ اس سفر سے واپس ہوتے ہیں وہ علمی واخلاقی حالت اور اپنے جذبات میں بالکل ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کو جو اسلامی تربیت اور تہذیب حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات دینی مرکزوں میں رہنے والوں میں نظر نہیں آتی۔ جس مقصد کے لئے وہ گھر بار اور مشاغل چھوڑتے ہیں وہ ہر وقت ان کے پیش نظر اور ان کے قلب و ذہن پر طاری رہتا ہے اس لئے اس تھوڑی مدت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ جو اطمینان کے ساتھ برسوں میں حاصل نہیں ہوتا۔

مکمل اصلاح

تربیت یافتہ لوگوں کی رفاقت اہل دین واہل علم اصحاب کی خدمت کی حاضری میں ایسا دینی سلیقہ اور ادب پیدا کر دیتی ہے جو دینی مدارس کے طلبا اور خانقاہوں کے اہل ارادت میں بھی کم دیکھا جاتا ہے۔ وہ دین کو چونکہ اس کے بالکل فطری اور زندہ طریق پر حاصل کرتے ہیں اسلئے ان کی دینداری غیر متوازن وغیر متناسب نہیں ہوتی کہ ان کے عبادات کا پہلو بالکل مکمل ہو اور اخلاق و معاملات کا پہلو بالکل ناقص ہو جائے ان میں ایک ذوق عبادت اور روحانیت ہوتی ہے تو دوسری طرف جفاکشی، تحمل، مجاہدہ، اور تواضع خدمت کا ذوق اور مجاہدانہ روح بھی ہوتی ہے۔

تمت بالخیر

فریضۂ تبلیغ اور اس سے غفلت کے

چند اسباب :-

[یہ مضمون رسالہ "مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج" سے ماخوذ ہے۔ ماسبق سے کام کی اہمیت اور عظمت اور ضرورت واضح ہو چکی اب باوجود کام کی حقیقت کے سامنے آجانے کے پھر بھی اس کام سے غفلت کے کیا اسباب ہیں؟
اسے واضح کرنے کے لئے یہ اقتباس پیش کیا جا رہا ہے :-

:- یہ رسالہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حیات ہی میں لکھا گیا تھا اور حضرت والا نے اسے پسند فرمایا تھا۔

اس کتاب میں صرف کام سے غفلت کے اسباب درج کئے گئے ہیں۔

باقی طریقہ کار کے لئے اصل رسالہ[1] کا مطالعہ کیجئے
(صفحہ ۱۲ سے صفحہ ۲۱ تک)]

---

[1] رسالہ کی قیمت ۳۰/

دین کا ایک زبردست اور اہم رکن امر بالمعروف نہی عن المنکر

اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالیؒ نے اسطرح ظاہر فرمایا ہے:

"اس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرامؑ کو مبعوث فرمایا ہے اگر خدانخواستہ اسکو بالائے طاق رکھدیا جائے اور اس کے علم و عمل کو ترک کر دیا جائے تو العیاذ باللہ نبوت کا بیکار ہونا لازم آئیگا دیانت جو شرافت انسانی کا خاصہ ہے مضمحل اور افسردہ ہو جائے گی کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی گمراہی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائینگی، جہالت عالمگیر ہو جائے گی۔ تمام کاموں میں خرابی آجائے گی آپس میں پھوٹ پڑجائیگی آبادیاں خراب ہو جائیں گی۔ مخلوق تباہ برباد ہو جائے گی اور اس تباہی و بربادی کی اسوقت خبر ہوگی جب روز حشر خدائے بالا و برتر کے سامنے پیشی اور باز پرس ہوگی۔

افسوس صد افسوس! جو خطرہ تھا وہ سامنے آگیا جو کھٹکا تھا آنکھوں سے دیکھ لیا۔ كَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۞ اس سرسبز ستون کے علم و عمل کے نشانات مٹ چکے اسکی حقیقت و رسوم کی برکتیں نیست و نابود ہو گئیں لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سکہ قلوب پر جم گیا خدائے پاک

کے ساتھ کا قلبی تعلق مٹ چکا اور نفسانی خواہشات کی اتباع میں جانوروں کی طرح بیباک ہو گئے روئے زمین پر ایسے صادق مؤمن کا ملنا دشوار و کم یاب ہی نہیں بلکہ معدوم ہو گیا جو اظہار حق کی وجہ سے کسی کی ملامت کرے اگر کوئی مرد مؤمن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور اس سنت کے احیاء میں کوشش کرے اور اس مبارک بوجھ کو لیکر کھڑا ہو اور آستینیں چڑھا کر اس سنت کے زندہ کرنے کے لئے میدان میں آئے تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہوگا"

امام غزالی نے جن الفاظ میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے وہ ہماری تنبیہ اور بیداری کے لئے کافی ہیں۔

ہمارے اسقدر اہم فریضہ سے غافل ہونیکی چند وجوہ معلوم ہوتی ہیں:

غفلت کا پہلا سبب: پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس فریضہ کو علماء کے ساتھ خاص کر لیا حالانکہ خطابات قرآنی عام ہیں جو امت محمدیہ کے ہر ہر فرد کو شامل ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کی زندگی اس کے لئے شاہد عدل ہے۔ فریضہ تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو علماء کے ساتھ خاص کر لینا اور پھر ان کے بھروسہ پر اس اہم کام کو چھوڑ دینا ہماری سخت نادانی ہے۔ علماء کا کام راہِ حق بتلانا اور سیدھا راستہ دکھلانا ہے۔ پھر اس کے موافق عمل کرانا اور مخلوق

خدا کو اس پر چلانا یہ دوسرے لوگوں کا کام ہے اسی کی جانب

اس حدیث شریف میں تنبیہ کی گئی ہے۔

اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رعیتہ فالامیر الذی علٰی النَّاسِ رَاعٍ عَلَیْهِمْ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ والرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَهْلِ بیتہ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عنهم والمراۃ راعیۃ علٰی بیت بعلها وولدہ وهی مسئولۃ عَنْهُمْ والعبدُ رَاعٍ عَلٰی مال سیدہ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عنہُ فکلکم رَاعٍ وکلکم مسئُوْلٌ عَنْ رعیتہ۔

بیشک تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب اپنے رعیت کے بارے میں سوال کئے جاؤ گے پس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاویگا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور ان کے بارے میں سوال کیا جاویگا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے وہ ان کے بارے میں سوال کیجا دیگی اور غلام اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائیگا پس تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاویگا۔

اور اسی کو واضح طور پر اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قَالَ الدِّیْنُ النصیحۃ قلنا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ

حضور اقدس نے فرمایا دین سراسر نصیحت ہے صحابہؓ نے عرض

وَلِائِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ (مسلم)	کیا کس کے لئے فرمایا اللہ کیلئے اور اللہ کے رسول کیلئے اور

مسلمانوں کے مقتداؤں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔ اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی اسوقت فضاء زمانہ کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہر شخص اس کام میں لگ جائے اور اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظت دینِ متین کے لئے کمر بستہ ہو جائے

غفلت کا دوسرا سبب دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ اگر ہم خود اپنے ایمان میں پختہ ہیں تو دوسروں کی گمراہی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں جیسا کہ اس آیت شریفہ کا مفہوم ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ	اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں (بیان)

لیکن درحقیقت آیۃ سے یہ مقصود نہیں جو ظاہر میں سمجھا جا رہا ہے اس لئے کہ یہ معنیٰ حکمت خداوندیہ اور تعلیمات شرعیہ کے بالکل خلاف ہیں شریعت اسلامی نے اجتماعی زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتلایا ہے۔ اور امت مسلمہ کو بمنزلہ ایک جسم کے قرار دیا ہے۔ کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم

بے چین ہو جاتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ بنی نوع انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور کمال کو پہنچ جائے اسمیں ایسے لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو سیدھے راستے کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوں تو آیت میں مؤمنوں کے لئے تسلّی ہے کہ جب تم ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم ہو تو تم کو ان لوگوں سے مضرت کا اندیشہ نہیں جنھوں نے بھٹک کر سیدھا راستہ چھوڑ دیا نیز اصل ہدایت یہ ہے کہ انسان شریعت محمدیہ کو مع تمام احکام کے قبول کرے اور منجملہ احکام خداوندی کے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِی بَکْرِ الصِّدِّیْقِ - قَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْکَرَ فَلَمْ یُغَیِّرُوْہُ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ پیش کرتے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ خلاف شرع کسی چیز کو

[illegible] باعث عذاب ہے

چیز کو دیکھیں اور اس میں تغیر نہ کریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا کر دے۔

علماء محققین نے بھی آیت کے یہی معنی لئے ہیں امام نووی رحمہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں "علماء محققین کا صحیح مذہب اس آیتہ کے معنی میں یہ ہے کہ جب تم اس چیز کو ادا کر دو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے تو تمہارے غیر کی کوتاہی تمہیں مضرت نہ پہونچائے گی جیسا کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى اور ایسا ہے تو منجملہ ان اشیاء کے جنکا حکم دیا گیا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے پس جب کسی شخص نے اس حکم کو پورا کر دیا اور مخاطب نے اس کی تعمیل نہ کی تو اب ناصح پر کوئی عتاب اور سرزنش نہیں اس لئے کہ جو کچھ اس کے ذمہ واجب تھا اور وہ امر و نہی ہے اسنے اسکو ادا کر دیا دوسرے کا قبول کرنا اس کے ذمے نہیں واللہ اعلم"

غفلت کا تیسرا سبب

تیسری وجہ یہ ہے کہ عوام و خواص عالم و جاہل ہر شخص اصلاح سے مایوس ہوگیا اور انھیں یقین ہوگیا کہ اب مسلمانوں کی ترقی اور ان کا عروج ناممکن اور دشوار ہے جب کسی شخص کے سامنے کوئی اصلاحی نظام پیش کیا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی

اب کیسے ہوگی جبکہ ان کے پاس نہ سلطنت وحکومت ہے، نہ مال وزر اور نہ سامان حرب اور نہ مرکزی حیثیت نہ قوت بازو اور نہ باہمی اتفاق واتحاد بالخصوص دیندار طبقہ تو بزعم خود یہ طے کرچکا ہے کہ اب چودھویں صدی ہے زمانہ رسالت کو بُعد ہوچکا اب اسلام اور مسلمانوں کا انحطاط ایک لازمی شے ہے پس اس کے لئے جدوجہد کرنا عبث اور بیکار ہے یہ صحیح ہے کہ جسقدر مشکوٰۃ نبوت سے بعد ہوتا جائیگا حقیقی اسلام کی شعاعیں ماند پڑجائیں گی لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقاء شریعت اور حفاظت دین محمدی کے لئے جدوجہد اور سعی نہ کیجائے اسلئے اگر ایسا ہوتا اور ہمارے اسلاف بھی خدانخواستہ یہی سمجھ لیتے تو آج ہم تک دین کے پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی البتہ جبکہ زمانہ ناموافق ہے تو رفتار زمانہ کو دیکھتے ہوئے زیادہ ہمت اور استقلال کے ساتھ اسلام کو لیکر کھڑے ہونیکی ضرورت ہے۔

تعجب ہے کہ جو مذہب سراسر عمل اور جہد پر مبنی تھا آج اس کے پیرو عمل سے یکسر خالی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جگہ جگہ عمل اور جہد کا سبق پڑھایا اور بتلایا ہے کہ ایک عبادت گزار تمام رات نفل پڑھنے والا دن بھر روزہ رکھنے والا انشاءاللہ کرنیوالا ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جو دوسروں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر میں بیچین ہو۔ قرآن کریم نے جگہ جگہ جہاد

فی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مجاہد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں کیا

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (نساء ع ۱۳)

برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں۔ اللہ نے اُن لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والے کے اور سب سے اللہ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر بیٹھنے والے کے بڑا اجر عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت ، اور اللہ بڑی مغفرت رحمت والے ہیں۔ اگرچہ آیت میں جہاد سے مراد کفّار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول بالا اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو لیکن اگر بدقسمتی سے آج ہم اس سعادت عظمیٰ سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لیے جسقدر جد و جہد ہماری مقدرت اور استطاعت میں ہے اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیئے پھر ہماری یہی معمولی

حرکت عمل اور جدّ و جہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی
وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ
ہمارے دین کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کے لئے اپنا راستہ
کھول دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دین محمدی ؐ کی بقاء اور تحفظ کا
حق تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے۔ لیکن اس کے عروج و ترقی کیلئے ہمارا
عمل اور سعی مطلوب ہے۔ صحابہ کرام ؓ نے اس کے لئے جسقدر
انتھک کوشش کی اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کئے اور غیبی نصرت
سے سرفراز ہوئے ہم بھی اُن کے نام لیوا ہیں اگر اب بھی ہم ان کے
نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اشاعت
اسلام کے لئے کمربستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرت خدا وندی اور
امداد غیبی سے سرفراز ہوں گے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ
وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ط یعنی اگر تم خدا کے دین کی مدد کے لئے
کھڑے ہو جاؤ گے تو خدا تمہاری مدد کریگا اور تمہیں ثابت قدم رکھے
گا۔

غفلت کا چوتھا سبب

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم
خود ان باتوں کے پابند نہیں اور اس منصب
کے اہل نہیں تو دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کریں لیکن یہ
نفس کا صریح دھوکہ ہے جب ایک کام کرنیکا ہے اور حق تعالےٰ
کیجانب سے ہم اس کے مامور ہیں تو پھر ہمیں اس میں پس وپیش

کی گنجائش نہیں ہمیں خدا کا حکم سمجھکر کام شروع کردینا چاہیئے پھر انشاء اللہ ہی جدّوجہد ہماری پختگی استحکام اور استقامت کا باعث ہوگی اور اسیطرح کرتے کرتے ایکدن تقرب خداوندی کی سعادت نصیب ہوگی۔ یہ ناممکن اور محال ہے کہ ہم حق تعالےٰ کے کام میں جدّوجہد کریں اور وہ رحمٰن ورحیم ہماری طرف نظرِ کرم نہ فرمائے میرے اس قول کی تائید اِس حدیث سے ہوتی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رضؓ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَا نَامُرُ بِالْمَعْرُوْفِ حَتّٰی نَعْمَلُ بِہٖ کُلِّہٖ وَلَا نَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ حَتّٰی نَجْتَنِبَہٗ کُلَّہٗ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَاِنْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِہٖ کُلِّہٖ وَانْھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَاِنْ لَمْ تَجْتَنِبُوْہُ کُلَّہٗ (رواہ الطبرانی فی الصغیر الاوسط)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جبتک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں حضور نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود اُن سے نہ بچ رہے ہو۔

غفلت کا پانچواں سبب

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں

کہ جگہ جگہ مدارس دینیہ کا قائم ہونا علماء کا وعظ و نصیحت کرنا خانقاہوں کا آباد ہونا مذہبی کتابوں کا تصنیف ہونا رسالوں کا جاری ہونا یہ سب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شعبے ہیں اور ان کے ذریعہ اس فریضہ کی ادائیگی ہورہی ہے

اس میں شک نہیں کہ ان سب اداروں کا قیام اور بقا بہت ضروری ہے۔ اور ان کی جانب اعتنا اہم امور سے ہے اس لئے کہ دین کی جو کچھ تھوڑی بہت جھلک دکھائی دے رہی ہے وہ سب انہی اداروں کے مبارک آثار ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کے لئے یہ ادارے کافی نہیں اور ان پر اکتفا کرنا ہماری کھلی غلطی ہے۔ اس لئے ان اداروں سے ہم اسوقت منتفع ہو سکتے ہیں جب ہم میں دین کا شوق اور طلب ہو اور مذہب کی وقعت اور عظمت ہو اب سے پچاس سال پہلے ہم میں شوق و طلب موجود تھا۔ اور ایمانی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اس لئے ان اداروں کا قیام ہمارے لئے کافی تھا لیکن آج غیر اقوام کی انتھک کوششوں نے ہمارے اسلامی جذبات بالکل فنا کر دیئے اور طلب و رغبت کے بجائے آج ہم مذہب سے متنفر اور بیزار نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم مستقل کوئی تحریک ایسی شروع کریں جس سے عوام میں دین کے ساتھ تعلق اور شوق اور رغبت پیدا ہو اور ان کے سوتے

ہوئے جذبات بیدار ہوں پھر ہم ان اداروں سے ان کی شان کے مطابق منتفع ہو سکتے ہیں۔ ورنہ اگر اسیطرح دین سے بے رغبتی اور بے اعتنائی بڑھتی گئی تو ان اداروں سے انتفاع تو درکنار ان کا بقار بھی دشوار نظر آتا ہے۔

غفلت کا چھٹا سبب

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اس کام کو لیکر دوسروں کے پاس جاتے ہیں۔ تو وہ بری طرح پیش آتے ہیں اور سختی سے جواب دیتے ہیں اور ہماری توہین و تذلیل کرتے ہیں لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کام انبیا کرامؑ کی نیابت ہے اور ان مصائب اور مشقتوں میں مبتلا ہونا اس کام کا خاصّہ ہے اور یہ سب مصائب و تکالیف بلکہ اس سے بھی زیادہ انبیار کرام نے اس راہ میں برداشت کیں۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (حجر ع ۱)	ہم بھیج چکے ہیں رسول تم سے پہلے اگلے لوگوں کے گروہوں میں اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا مگر یہ اسکی ہنسی اڑاتے رہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دعوت حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا پس جب سردارِ دو عالم اور ہمارے آقا اور مولیٰ نے ان مصائب اور مشقتوں

کو تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں اور انھیں کا کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں ہمیں بھی ان مصائب سے پریشان نہ ہونا چاہئے اور تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہئے

اصل مرض :-

ماسبق سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ہمارا اصل مرض روح اسلامی اور حقیقت ایمانی کا ضعف اور اضمحلال ہے اور ہمارے اسلامی جذبات فنا ہو چکے اور ہماری ایمانی قوت زائل ہو چکی اور جب اصل شے میں انحطاط آگیا تو اس کی ساتھ جتنی خوبیاں اور بھلائیاں وابستہ تھیں ان کا انحطاط پذیر ہونا بھی لابدی اور ضروری تھا۔

اور اس ضعف و انحطاط کا سبب اس اصل شئے کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کی بقا و مدار ومدار ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے افراد خوبیوں اور کمالات سے آراستہ نہ ہوں۔

مرض کا علاج | پس ہمارا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فریضۂ تبلیغ کو ایسی طرح لیکر کھڑے ہوں جس

سے ہم میں قوت ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات ابھریں ہم خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہوں اور اس کے لئے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سید الانبیاء والمرسلین ؐ نے مشرکین عرب کے لئے اختیار فرمایا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	بیشک تمہارے رسول اللہ میں اچھی پیروی ہے۔

اسی کی جانب امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشارہ فرماتے ہیں۔ لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا۔

لن یصلح آخر

یعنی اس امت محمدیہ کے آخر میں آنیوالے لوگوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہو سکتی جبتک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتداء میں اصلاح کی ہے !!

تو ابتدا یعنی قرون اول سے لے کر حضرت مولانا الیاس رح کے زمانے تک جب وہی طریقہ نہیں اختیار کیا گیا۔ تو یہ سب لوگ تارک سنت ہوئے۔ نیز ان کی اصلاح بھی نہیں ہوئی کیونکہ بقول امام مالک آخر والوں کی اصلاح تو اسی طریقے سے ہو سکتی ہے جس طریقے سے ابتداء میں اصلاح ہوئی ہے۔ اور وہ ابتداء والا طریقہ یہی مروجہ موجودہ طریقہ ہے۔ تو کیا یہ صحیح ہے کہ درمیانی لوگوں کی اصلاح نہیں ہوئی اور وہ سب تارک سنت رہے۔

دینی دعوت کا مطالبہ

--- از قلم : مولانا منظور نعمانی مدظلہ العالی

اس دینی دعوت اور اس اصلاحی تحریک کا مطالبہ اسلام کے پیارے نام لیواؤں سے بالخصوص نعمت دین کے قدر شناسوں اور امانت نبوی کے عالموں سے یہ ہے :-

اُٹھو جس کام کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیکڑوں راتیں بےچینی سے گذریں اس کے لئے تم بھی چین کو کچھ قربان کرو جس مقصد کیلئے حضورؐ کے پائے مبارک لہولہان ہوئے اس کے لئے تم بھی اپنے پیر دل کو حرکت دو جس دین کی سرسبزی اور جس طریقہ زندگی کی ترویج کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے اپنا گھر چھوڑ دیا تھا تم بھی اس کے واسطے اپنے گھر دلا کو چھوڑ کر نکلنے کی عادت ڈالیں ہدایت حق کو پھیلانے اور خلق خدا کو رضاء الٰہی اور جنت کے راستہ پر لگانے کے لئے جسطرح صحابہ کرام نے اپنی تجارت اور دوکانداری کے نقصان اور اپنے کھیتوں کے اجاڑ کی پرواہ چھوڑ دی تھی . تم بھی اسکے لئے اپنے کاروبار اپنی کمائی اپنی کھیتی باڑی کا نقصان گوارہ کرو . اس کے بغیر تم اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے - اعملوا - اعملوا

(مولانا) محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ ذلیقعدہ ۱۳۶۳ھ

(ماہنامہ الفرقان شعبان ورمضان ۱۳۶۳ھ)

۳۵۳

کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟

کے دوسرے اہم مضامین

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

دعوت کے میدان میں

ماخوذ از

(۱) سوانح یوسفی

(۲) حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور انکی دینی دعوت

ملنے کا پتہ

مکتبہ حلیمیہ مقام، پوسٹ تراج، وایا پلسانہ ضلع سورت

گجرات

SIRAJ

پیش لفظ

اس کتاب کی غرض تبلیغی کام کی ضرورت اور اہمیت و عظمت کا احساس پیدا کرنا ہے اور حضرات اکابر کی باتوں سے ہر شخص اثر قبول کرتا ہے اسلئے ہم نے ابتک اکابرین کی تقریر و مکاتیب و مضامین پیش کردئے ہیں جس میں تبلیغ کی اہمیت و عظمت وضاحت سے بیان کی جاچکی ہے اسی ذیل میں بہت سے اعتراضات کے جوابات اور شکوک و شبہات بھی حل ہو جاتے ہیں۔

ان تمام باتوں کے ساتھ اگر بانی تحریک کے کچھ نظریات اور حالات اور کام سے انہماک وغیرہ بھی سامنے آجائے تو اس سے کام کے سمجھنے کے لئے مزید تقویت حاصل ہوجاتی ہے ان اصول کے تحت ہم اول بانی تحریک حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے وہ حالات اور نظریات پیش کرنا چاہتے ہیں جو آپکے اس کام کے سلسلے میں تھے۔

اس سلسلہ میں ہم نے "سوانح یوسفی" اور "حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت" سے چند اہم اور مفید باتیں شامل کر دی ہیں۔ مکمل سوانح کے لئے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔

اس مضامین میں مندرجہ ذیل مضامین شامل کر دیے گئے ہیں

(۱) حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی سوانح تبلیغی۔ تحریک کی ابتداء اور ترقی کے دور | ماخوذ:۔ سوانح یوسفی اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت

(۲) دعوت کا انہماک ماخوذ:۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دعوت

(۳) حضرت مولانا کے خیالات ونظریات ماخوذ:۔ " " "

(۴) چند ملفوظات ماخوذ:۔ " " "

(۵) تبلیغی سفر کے فوائد ماخوذ:۔ " " "

از مرتب

(۱) حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی سوانح حیات

تبلیغی تحریک کی ابتدا اور ترقی کے دور

تبلیغ و دعوت کی عمومی تحریک

مکاتب کے ذریعہ جو معمولی اصلاح ہو رہی تھی اس سے رفتہ رفتہ حضرت مولانا کی بیقرار طبیعت غیر مطمئن ہونے لگی آپ نے محسوس کیا کہ ماحول کی بے دینی اور ملک کی عمومی جہالت اور ظلمت کا اثر مکاتب پر بھی ہے اول تو طلبہ کی پوری اصلاح اور ان کی دینی تربیت نہیں ہونے پاتی، دوسرے جو طلبا ان مکاتب سے دین کی تعلیم اور تھوڑی بہت اسلامی تربیت حاصل کر کے نکلتے بھی ہیں وہ بھی جہالت اور بے دینی کے اس بحر ظلمات میں جو ان کے چاروں طرف سیکڑوں میل پھیلا ہوا ہے ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ پھر ان کا پتہ بھی نہیں چلتا ہے

قوم میں دین کی کوئی طلب نہیں جس سے وہ اپنے بچوں کو شوق سے پڑھنے بھیجے اور مکتبوں میں بٹھلائے، نہ دینی قدر ہے کہ ان کے پڑھ لینے کے بعد ان کے علم کی عزت اور ان کے بات کی وقعت ہو ایسی حالت میں یہ مکاتب ان کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہو سکتے، ایک عرصہ کے بعد مولانا نے ایک گرامی نامہ میں اس بارہ میں اپنا جو خیال

ظاہر فرمایا اس کو ان الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

"مکاتب جذبات کی جس مقدار سے چل سکتے ہیں وہ ابھی بہت بعید ہے ابھی تک ایک طویل مدت صرف تبلیغ پر اقتصار کر کے استقامت اور ترقی فرماتے رہیں جب عمومی استعداد پیدا ہو جائے گی اور اسلام کی رغبت پر کچھ ترقی کرنے لگیں گے تو اللہ چاہے تھوڑی کوشش سے بہت سے مدارس ہو سکیں گے۔

تیسرے یہ سارے انتظامات ان کے لئے ہیں جو سرے سے غیر مکلف و نابالغ بچے ہیں اور جو عاقل و بالغ احکام الٰہی کے براہ راست مکلف ہیں اور جو دینی بے علمی اور بے عملی کی وجہ سے مورد غضب بن رہے ہیں ان کے لئے اس میں کوئی انتظام نہیں، نیز ساری قوم کو ان مکاتب و مدارس کے ذریعہ (خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو) دین کی ضروری تعلیم اور اسلامی تربیت نہیں دی جا سکتی، نہ سب ان مکاتب کے طالب علم بن سکتے ہیں، نہ اپنے مسائل زندگی اور وسائل معاش چھوڑ سکتے ہیں اور پھر ایک واقعہ نے حضرت مولانا کی کایا پلٹ دی۔

ایک سفر میں حضرت مولانا کے سامنے بڑی تعریف کے ساتھ ایک نوجوان لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ فلاں مکتب سے قرآن پڑھ کر نکلے ہیں لیکن اس کی صورت غیر شرعی تھی اور داڑھی منڈی ہوئی، لباس غیر اسلامی تھا اور کسی طرح پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ دینی تعلیم حاصل کر چکا ہے اس واقعہ سے حضرت مولانا کی حساس اور غیور طبیعت کو سخت ٹھیس پہونچی

اور مکاتب کی طرف سے دل پھر گیا اور ایک عمومی تبلیغ کا خیال دل میں آیا، تاکہ ان مکاتب سے بچوں کو علم آئے اور عمومی تحریک سے بڑوں کو دین کی واقفیت ہوا ور دین کا احساس پیدا ہو۔

حضرت مولانا سے میوات کے لوگوں کو گہرا تعلق پیدا ہو چکا تھا حضرت مولانا نے جا بجا میواتیوں کے نزاعات اور جھگڑوں کو اپنی حکمت اور روحانیت سے ختم کیا تھا۔ جس سے یہ میواتی حضرت والا کی ذات کو محبوب ترین ذات سمجھنے لگے تھے اور اشاروں کو سمجھنے لگے تھے اسی زمانہ میں اور بھی بعض علمائے میوات میں تبلیغ و اصلاح کا کام شروع کیا تھا اور جیسا سارے ہندوستان میں علماء حق کا طریقہ ہے خلاف شرع امور کی روک تھام اور مسائل دینی کی اشاعت شروع کی اس سلسلے میں انھوں نے بعض رسوم کی مخالفت کی تحریک بھی اٹھائی۔

لیکن مولانا یہ محسوس کر رہے تھے کہ دین کی حالت اس وقت بھیڑوں کے گلے کی سی ہے کہ چرواہا ایک طرف سے ان کو سمیٹتا ہے تو دوسری طرف سے کچھ بھیڑیں نکل جاتی ہیں اور دوسری طرف سے سمیٹتا ہے تو تیسری طرف سے نکل جاتی ہیں۔ ایک جزئی کی اصلاح کی جائے تو دوسری صدہا جزئیات قابل اصلاح رہ جاتی ہیں۔ زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہے وہ چول ہے ایمان اور دین کی طلب اور وہ جو صدیوں پہلے دل سے نکل چکی ہے۔ حضرت مولانا اس یقین پر پہونچ چکے تھے کہ نہ تو صرف بچوں کی تعلیم سے کوئی انقلاب آسکتا ہے نہ خواص و علمائے کرام کی اصلاح سے کوئی

[illegible]

نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے۔ بلکہ ایک قومی تحریک کی ضرورت ہے اور یہی موجودہ فساد اور دینی بے راہ روی کا صحیح علاج ہے۔ حضرت مولانا کے اس تاثر کو ایک میواتی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

"جب تک عام آدمیوں میں دین نہ آئے کچھ نہیں ہوسکتا"

پنچائت نامہ

اسی لئے میں قصبہ نوح ضلع گوڑگاؤں میں ۲۰ اگست ۱۹۳۴ء حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی صدارت میں ایک پنچائیت کی گئی جس میں سارے میوات کے چودھری صاحبان میاں جی، ذیل داران و انعام داران، نمبرداران، صوبہ داران، منشی حضرات وسفید پوشان و دیگر سربرآوردگان علاقہ میوات جمع ہوئے جن کی تعداد تقریباً ایک سو سات تھی اس پنچائیت میں سب سے پہلے اسلام کی اہمیت بیان کی گئی۔ پھر اسلام کی ساری باتوں کی پابندی اور اس کی اجتماعی طور پر اشاعت اور دین کی دعوت کا کام کرنے کے لئے پنچائیتیں کرنے اور اس کام سے زندگی میں کسی بھی وقت نہ ہٹنے کا عہد کیا۔ خصوصاً (۱) کلمہ (۲) نماز (۳) تعلیم حاصل کرنا اور اس کی اشاعت (۴) اسلامی شکل وصورت (۵) اسلامی رسوم کا اختیار کرنا اور رسوم شرکیہ کا مٹانا (۶) اسلامی طریقے کا پردہ (۷) اسلامی طریقے کا نکاح کرنا (۸) عورتوں کو اسلامی لباس زیب تن کرنا (۹) اسلامی عقیدے سے نہ ہٹنا اور کسی غیر مذہب کو قبول نہ کرنا (۱۰) باہمی حقوق کی نگہداشت و حفاظت (۱۱) ہر اجتماع اور جلسہ میں ذمہ دار حضرات کا شریک ہونا (۱۲) بغیر دینی تعلیم

کے دنیاوی تعلیم بچوں کو نہ دینا (۱۳) دین کی تبلیغ کے لئے محنت اور کوشش کرنا (۱۴) پاکی کا خیال رکھنا (۱۵) ایک دوسرے کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا۔ اسکے علاوہ اپنی پنچائت میں طے کیا گیا تھا کہ تبلیغ صرف علماؑ کا کام نہیں ہے بلکہ ہم سب کا فریضہ ہے اسکو انجام دیں گے یہ ساری طے شدہ چیزیں لکھی گئیں اور پنچائت نامہ مرتب کیا گیا اور ان پر شرکار کے دستخط ہوئے۔

اسی طرح عرصہ تک حضرت مولانا میوات جاتے رہے اور میوات کے لوگوں کو روحانی فیض ملتا رہا لوگ بکثرت آپ سے مرید ہوتے اور ہدایت پاتے۔ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ میں علمار و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب میوات تشریف لے گئے اور فیروزپور" میں قیام فرمایا شرکار کا بیان ہے کہ انسانوں کا ایک جنگل تھا جو اس علاقہ میں جمع تھا۔

کام کا طریقہ اصول اور مطالبہ

چند سطروں میں اس تبلیغ کے اصول و طریقہ اور مطالبہ بھی بیان کردیا جائے جس کی اثر انگیزیوں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک زندگی کا ایک صور پھونک دیا ہے اور محیر العقول دینی انقلاب پیدا ہوگیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنی عمومی دینی تحریک کا ایک طریقۂ کار چھ اصول اور ان کے مطابق چند مطالبے رکھے۔ طریقۂ کار یہ ہیں

(۱) دین سیکھنے کا نبوی اور فطری طریقہ ضروری قرار دیا یعنی دینی ادارں اور اسلامی درس گاہوں کے ماتحت امت کے سارے طبقوں میں دینی دعوت پہونچانے والے اور ان طبقوں کو ان کا حامل و داعی بنانے کی کوشش کرنے والے پیدا کئے۔

(۲) دین کے لئے عملی جدوجہد، نقل وحرکت اور سعی وعمل کو فروغ دیا

(۳) دین کی تعلیم وتعلم اور دین کی خدمت واشاعت مسلمانوں کی زندگی کا جزء قرار دیا۔

(۴) دین کے لئے عارضی ترک وطن کو لازمی قرار دیا یعنی ہر مسلمان دین کو سیکھنے سکھانے کے لئے اپنے مشاغل وماحول کو کچھ دنوں کے لئے چھوڑ کر دوسری جگہ جائے اور ایک بہتر ماحول میں یکسو ہو کر دین کو سیکھے۔

اس کے لئے چھ اصول ضروری قرار دئے (۱) کلمہ کی تصحیح (۲) نماز کی تصحیح (۳) علم وذکر کی تحصیل (۴) اکرام مسلم (۵) تصحیح نیت (۶) تفریغ وقت یعنی وقت فارغ کرنا

حضرت مولانا نے اس طریقہ کار اور اصول کے ساتھ حسب ذیل مطالبے رکھے۔

(۱) ہر ہفتہ کچھ وقت کیلئے اپنے ماحول میں ضروریات دین (کلمہ، نماز) کی تبلیغ کرے اور باقاعدہ جماعت بنا کر ایک امیر اور ایک نظام کی

کی ماتحتی میں اپنی جگہ قرب وجوار میں گشت کرے۔

(۲) ہر مہینہ تین دن کے لئے پانچ کوس کے اندر اندر جو گاؤں ہوں اُن میں جائیں (اسکو میواتی پنچ کوسہ) کے نام سے یاد کرتے ہیں اور شہری دوسرے شہروں اور قریب کے مقامات میں جاکر یہ تبلیغی کام کریں اور اس سلسلہ میں گشت اور اجتماع کریں اور دوسروں کو نکلنے پر آمادہ کریں۔

(۳) کم سے کم چار مہینہ (تین چلوں) کے لئے دین کے سیکھنے کو اپنے گھر اور وطن سے نکلیں اور ان مرکزوں میں جائیں جہاں دین اور علم زیادہ ہے۔ اس دعوتی سفر اور نقل وحرکت کے ایام کا ایک مکمل نظام الاوقات مرتب کیا جسکے ماتحت جماعتیں اپنے اوقات گذاریں۔

ایک وقت میں اجتماع، ایک وقت میں تعلیم، ایک وقت میں حوائج ضروری کا پورا کرنا۔ پھر ان سارے کاموں کی ایک ترتیب وتنظیم کی گویا تبلیغی جماعت ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ اخلاقی و دینی تربیت گاہ بن جاتی

گشتوں کی ابتدا اور جماعت کی چلت پھرت

شوال سنہ ۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ہمراہ دوسرا حج کیا مدینہ منورہ کے قیام میں عجیب بے چینی اور اضطراب محسوس کیا، مدینہ منورہ سے ہندوستان واپسی کے لئے آمادہ نہ تھے

حضرت مولانا فرماتے تھے "کہ مدینہ کے دوران مجھے اس کام کیلئے امر ہوا"، "ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے"۔

کچھ دن میرے اس بے چینی میں گذرے کہ میں ناتواں کیا کرسکوں گا کسی عارف سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں کہا گیا ہے کہ تم کام کروگے، یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے، بس کام لینے والے کام لیں گے اس سے بڑی تسکین ہوئی حج سے واپسی پر حضرت مولانا نے تبلیغی گشت شروع کر دئے

اور میوات میں تبلیغی اجتماع

کئے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ عوام میں دین کے اولین ارکان و اصول (کلمہ توحید و نماز) کی تبلیغ کریں گے لوگ اس طریقہ سے ناآشنا تھے اور بڑی مشکل سے اس کام پر آمادہ ہوئے تھے۔

آپ نے قصبہ نوح میں ایک بڑا اجتماع کیا تھا اور دعوت دی کہ لوگ جماعتیں بنا بنا کر نکلیں، ایک ماہ بعد جماعت بنی، اور مختلف گاؤں میں اس نے گشت کیا، ایک جمعہ سے جماعت چلی اور دوسرا جمعہ سوہنے ضلع گوڑگاؤں میں پڑھی حضرت مولانا بھی جمعہ میں تشریف لے گئے۔ تیسرا جمعہ ٹاوڑو میں اور چوتھا جمعہ نگینہ تحصیل فیروزپور میں ہوا ہر جمعہ کو حضرت مولانا جاتے اور نظام بناتے۔ اور ہر جمعہ کے درمیان میں جماعت مختلف گاؤں میں گشت و اجتماع کرتی اور لوگوں کو آگے چلنے پر آمادہ کرتی رہی اور تبلیغی کام کی اس طرح

ابتداء ہوئی اور پھر اس میں ترقی ہوتی گئی۔

سنہ ۱۳۵۱ھ میں تیسرا حج فرمایا اور حج سے واپسی کے بعد میوات کے دو دورے کئے جو تبلیغی کام کے لئے بہت مفید اور موثر ثابت ہوئے پورے میوات میں جماعتوں کا جال بچھا دیا اور پورے میوات کو کھنگال دیا، (پنچ کوسہ) کی ایک اصطلاح قائم کی ہر گاؤں سے ہر گھر والے پانچ پانچ کوس کے علاقے میں گشت کریں اور اس عمومی دعوت کو پھیلا دیں۔ اب میوات کے کام کرنے والے تربیت یافتہ لوگوں کی اچھی خاصی جماعت پیدا ہو گئی علماء بکثرت پیدا ہونے لگے جہالت کی تاریکی دور ہونے لگی اور ہر گاؤں گویا تبلیغ کا مرکز بن گیا۔ مولانا کے نزدیک ملک کی جہالت وغفلت دینی بے حمیتی اور جذبات کی خرابی تمام فتنوں کی جڑ اور ساری خرابیوں کی سرچشمہ تھی اور اس کا علاج صرف یہ تھا کہ میوات کے لوگ اپنی اصلاح وتعلیم اور دین کو دنیا پر مقدم رکھتے اور اسکے لئے جدوجہد پیدا کرنے کی طاقت اور جذبات پیدا کرنے کے لئے باہر خصوصاً یوپی کے ان شہروں میں جائیں۔

کیونکہ مولانا کا خیال تھا کہ یوپی کا مغربی حصہ (ضلع مظفر نگر اور سہارنپور جسکے لئے کبھی دو آبہ کی اصطلاح فرماتے تھے اور کبھی مطلق یوپی کے لفظ سے یاد کرتے تھے۔) تعلیم دین کا معدن اور اہل حق کا خاص مرکز ہے اہل دین کی صحبت واختلاط اور آنکھوں اور کانوں کے ذریعہ سے دین کے تعلم واکتساب کے لئے اس خطے سے زیادہ کوئی موزوں اور مناسب

زمین ہی نہیں۔

مولانا کو اس کی بھی امید تھی کہ آپ کی یہ دعوت و تحریک اسطرح اس علاقہ کے اہل حق اور اہل علم کے سایہ تلے آجائے گی اور اس بہانہ سے ان حضرات کے میواتیوں کے ان غریب و دور افتادہ مسلمانوں کی پسماندگی اور زبوں حالی سے واقفیت کا موقع ملے گا شاید ان کے دل میں اس کا درد پیدا ہوجائے اور ان کی شفقت اُٹھے مولانا کے نزدیک ان حضرات کا تعلق اور ان کی سرپرستی نہایت ضروری تھی جس کے بغیر وہ اس تحریک کو خطرے اور آزمائش میں سمجھتے تھے۔ غالباً انھیں مصلحتوں کی بناپر حضرت مولانا نے اب ان میواتیوں کو میوات سے باہر جماعتیں بنابنا کر بھیجنا شروع کیا اور دینی مرکزوں میں ان تبلیغی جماعتوں کو روانہ کیا سب سے پہلی جماعت کاندھلہ گئی جو خود حضرت مولانا کے خاندان کا وطن ہے اور جہاں علماء کی بڑی تعداد ہے دوسری جماعت رائے پور بھیجی جہاں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری کی خانقاہ ہے اس چلت پھرت سے میواتیوں کا باہر سے تعلق قائم ہوا

میوات کے اندر و باہر دورہ کرنے کے لئے جماعتیں بکثرت بننے لگیں اس پر ہمیشہ زور دیا جاتا رہا کہ ملک میں دوسری چیزوں کی طرح اس کا بھی عام رواج ہوجائے گا اسلئے مناسب مقامات پر جلسے اور اجتماعات بھی کئے جاتے تھے ہر جلسے سے کچھ نئی جماعت تیار ہو کر اطراف وجوانب یا یوپی کا گشت کرنے کے لئے نکلتیں۔ لوگ اپنے وقتوں کی

پیش کش کرنے لگے روپئے پیسے کے چندے کا رواج تو دنیا میں تھا ہی دین کے واسطے اوقات (ہفتوں مہینوں) کے چندے کا پہلی مرتبہ میوات میں رواج شروع ہوا۔

مولانا کام کرنے والوں میں دین کے لئے ایثار و قربانی کی روح پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کو اللہ کے لئے کھیتی باڑی کا نقصان اور اپنے کاروبار کا خرچ برداشت کرنے کا عادی بنانا چاہتے تھے۔ میوات میں ایک مدت کے بعد اس کا آغاز ہوا کہ دین کے لئے دنیاوی کاموں کا نقصان برداشت کیا جائے اور دنیا کا خطرہ مول لیا جائے یہ الگ بات ہے کہ اکثر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسکی نوبت نہیں آنے دی اور نکلنے والوں کو واپس آکر معلوم ہوا کہ ان کی غیبی مدد ہوئی اور ان کی کھیتی باڑی اور دوکانداری کو اس عرصہ میں زیادہ فروغ ہوا۔

الغرض میوات میں باہر کے لوگ آنے جانے لگے اور چند ہی سال میں میوات کے وسیع علاقہ میں دین اور دنیا داری کی ایسی اشاعت ہوئی اور ایک تاریک خطہ میں ایسی روشنی پھیلی جس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی ہے۔

میوات میں دین کی عام اشاعت

ان رضاکار مبلغین کی وجہ سے جو بہت بڑی تعداد میں اپنا سامان پیٹھ پر اٹھائے ہوئے اپنا ضروری خرچ یا ضروری خوراک ساتھ

باندھے ہوئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک کونے سے دوسرے کونے، تھوڑی مدت میں اس وسیع علاقہ میں دین اور دینداری کی ایسی عام اشاعت ہوئی اور اس تاریک خطے میں جو صدیوں سے تاریک چلا آرہا تھا ایسی روشنی پھیلی کہ دور دور تک اس کی نظیر نہیں مل سکتی اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر کوئی اسلامی سلطنت اپنے پورے وسائل استعمال کرتی اور لوگوں کو دین سے قریب کرنے کے لئے اور دین سے واقف کرانے کے لئے بہت بڑا تنخواہ دار عملہ رکھتی یا سیکڑوں کی تعداد میں مدارس و مکاتب قائم کرتی تو وہ اپنے سلطنت کے کسی علاقہ میں اس خوبی کے ساتھ دین نہیں پھیلا سکتی تھی اور زندگی کا انقلاب تو مادی وسائل کے قابو سے بالکل باہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام کرنے کا صحیح طرز وہی ہے جو قرآن اولین میں تھا اسلام کے سپاہی لڑنے کے لئے ہتھیار اور کھانے کے لئے سامان خوراک گھر سے لاتے تھے اور شہادت کے شوق اور رضائے الٰہی کے طلب میں جہاد کرتے تھے اسی طرح اسکے مبلغ اور داعی، اسکے محتسب اور واعظ اللہ کا حکم اور اپنا فرض سمجھتے ہوئے اپنے فرائض بھی اور دیانتداری سے ادا کرتے تھے۔ میوات کی اس نقل و حرکت میں اس مبارک دور کی ایک ہلکی سی جھلک تھی۔ اگر کوئی ان مبلغین کے قافلوں کو اس حالت میں گذرتا ہوا دیکھتا کہ کاندھوں پر کمبل پڑے ہوئے بغل میں سیپارے دبے ہوئے ہیں چادر کے پلوں میں چنے یا

چادر و ٹیاں بندھی ہوئی ہیں زبانیں ذکر و تسبیح میں مشغول ہیں۔ آنکھوں میں شب بیداری کے آثار، پیشانیوں پر سجدے کے نشانات ہاتھ پاؤں سے جفاکشی اور محنت کا اظہار ہو رہا ہے تو دیکھنے والوں کے سامنے بیر معونہ کے ان شہید صحابیوں کی ایک دھندلی سی تصویر پھر جاتی ہے جو قرآن اور احکام دین کی تعلیم کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جا رہے تھے اور شہید کر دیئے گئے تھے۔

فضاء کی تبدیلی

رفتہ رفتہ میوات کی فضاء بدلنے لگی اور موسم کے تغیر کے اثرات جا بجا ظاہر ہونے لگے زمین میں ایسی روئیدگی اور قابلیت پیدا ہونے لگی کہ دین کی چیزوں کے نشو و نما پانے اور سر سبز و بار آور ہونے کی امید پیدا ہو گئی اب دین کی ہر چیز کے لئے مستقل جہاد کی ضرورت نہیں رہی اگرچہ کام بہت باقی تھا (اور بعض رسمیں قابل اصلاح اب بھی باقی ہیں) مگر ان مقامات میں جہاں کام زیادہ ہو چکا تھا صرف اتنا کہنا اور بتلانا کافی تھا کہ یہ دین کی چیز ہے اور اللہ و رسول کا حکم ہے

مولاناؒ کے نزدیک کام کی یہی صحیح ترتیب تھی کہ لوگوں میں صحیح ایمان، دین کی طلب اور قدر اور آخرت کے لئے دنیا میں اپنا جان و مال کا نقصان گوارہ کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے پھر پورے دین کی اطاعت از خود پیدا ہو جائے گی۔

چنانچہ میوات میں دین داری کے وہ اثرات ظاہر ہونے لگے جن میں سے ایک ایک کے لئے اس سے پہلے اگر برسوں جدوجہد کی جاتی تو شاید کامیابی نہ ہوتی بلکہ الٹی ضد ہو جاتی۔

ملک میں دین کی رغبت پیدا ہو گئی اور اس کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جس علاقہ میں کوسوں مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں اور دیکھتے دیکھتے ہزاروں مسجدیں بن کر کھڑی ہو گئیں صدہا مکتب اور متعدد عربی مدرسے قائم ہو گئے۔ حفاظ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ فارغ التحصیل علماء کی ایک خاصی بڑی تعداد ہے، ہندوانہ وضع لباس سے نفرت ہونے لگی اور اسلامی و شرعی لباس کی وقعت دلوں میں پیدا ہونے لگی۔ ہاتھوں سے کڑے اور کانوں سے مرکیاں اترنے لگیں بے کہے آدمیوں نے داڑھیاں رکھنی شروع کر دیں، شادیوں سے مشرکانہ اور خلاف شرع رسوم کا خاتمہ ہونے لگا سود خوری کم ہو گئی شراب نوشی تقریباً ختم ہو گئی قتل و غارت گری کی وارداتیں بہت کمی ہو گئی، جرائم فسادات اور بداخلاقیوں کا تناسب پہلے کے مقابلے میں بہت کم ہو گیا، بے دینی، بدعات، ورسوم و فسق و فجور کی باتیں اور عادتیں موافق ہوا اور فضاء نہ پانے کی وجہ سے خود بخود مضمحل ہونے لگیں۔

؀ ؀ ؀ ؀

ایک سن رسیدہ میواتی نے میوات کے ماضی اور حال کا فرق اس طرح بیان کیا ہے کہ جن باتوں کے لئے بڑی کوششیں کی جاتی تھیں اور ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی وہ اب آپ ہی آپ ہو رہی ہے اور جن باتوں کو بند کرنے کے لئے پہلے بڑی لڑائیاں لڑی جاتی تھیں اور بڑا زور لگایا جاتا تھا اور ایک بات بھی نہیں بند ہوتی تھی وہ اب بے کہے سنے خود بخود بند ہوتی جا رہی ہے۔

جن لوگوں نے میوات کے دونوں دور دیکھے ہیں وہ صحیح طور پر اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت مولانا نے کسی گاؤں میں تبلیغی بات کرتے ہوئے ایک شخص کے اوپر محبت سے ہاتھ رکھ دیا وہ اس طرز سے بگڑ گیا اور بولا مولوی اپرے ہٹ۔ اگر تو نے اب کی ہاتھ لگایا تو لٹھ ماردوں گا آپ نے فوراً اس کے پاؤں پکڑ لئے اور فرمایا کہ پاؤں کو تو نہیں کہا تھا۔

حضرت مولانا کی اس عدیم المثال خاکساری اور تواضع کو دیکھکر وہ پتھر جیسا دل رکھنے والا انسان بھی پگھل گیا ندامت سے اپنا سر جھکا لیا۔

ایک جگہ اور حضرت مولانا تشریف لے گئے اور ایک میواتی سے تبلیغ کی بات کرنے لگے وہ اجڈ اتنا بگڑ گیا کہ ایک گھونسہ رسید کر دیا حضرت مولانا نحیف الجثہ تھے وہ اس گھونسہ کی تاب نہ لا سکے اور زمین پر بیٹھ گئے کچھ دیر کے بعد جو اس بجا ہوئے تو بڑے اطمینان اور سکون

سے دامن کو تھام کر فرمایا۔

"اچھا تم اپنا کام کر چکے اب میری سنو"

یہ دیکھ کر میواتی شرم سے پانی پانی ہو گیا اور فوراً حضرت مولانا کے قدموں میں گر پڑا اور بولا مولوی! معاف کر دو ورنہ میری بخشش نہ ہو گی۔

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں کہ کس طرح حضرت مولانا کی اخلاص، محنت، جفاکشی اور للّٰہیت نے ایسی سرکش اور جبار قوم کو ہدایت کے راستے پر ڈال دیا جس کا اقرار اور احساس ہر میواتی کو ہے اور وہ حضرت مولانا کے اس احسان کو بار بار ذکر کرتا ہے۔ ایک میواتی نے کسی بزرگ کے اس سوال پر کہ تم تبلیغی دورے کس لئے کرتے ہو نہایت سادگی اور متانت سے اس طرح جواب دیا:۔

"کہ ہم جہالت میں پڑے ہوئے تھے نہ ہم کو خدا کی خبر تھی اور نہ رسول کی، اس مولوی کا خدا بھلا کرے اس نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا اب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے دوسرے بھائیوں تک یہ نعمت پہونچائیں جو ہمکو ملی ہے"

بے قرار طبیعت

حضرت مولانا کی زبان میں کسی قدر لکنت تھی اپنی بات پوری طرح سمجھا نہیں سکتے تھے مزید براں مضامین علمی اور تصوف کی اصطلاحات سے بھرپور ہوتے تھے میواتی جوان الفاظ اور اصطلاحات

سے نا آشنا تھے شروع شروع میں تو بالکل سمجھنے سے قاصر رہے،
حضرت مولانا بے قرار ہو ہو کر اور پہلو بدل بدل کر اپنی بات کہتے
مگر سمجھنے والا کوئی نہ ہوتا، حضرت مولانا راتوں کو خدا کے سامنے
روتے دعا کرتے اور بیچارگی اور تنہائی کا اظہار کرتے ماہی بے آب
کی طرح تڑپتے آہیں بھرتے اور فرماتے "میرے اللہ! میں کیا کروں
کچھ ہوتا ہی نہیں،، آپ کی مثال بالکل اسی کی طرح تھی جس نے یہ
کہا:- من مثالِ لالۂ صحرا استم در میانِ انجمن تنہا استم
شمع را تنہا تپیدن نیست آہ یک پروانہ من اہلِ نیست
انتظارِ غمگسار تا کجا جستجوئے راز دار تا کجا؟
دو جہاں یاد آمدیم من کجا است نخلِ سینا یم کلیمِ من کجا است
سب سے زیادہ واقف وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہمہ وقت ساتھ رہنے
والے اور اندرونِ خانہ سے واقف ہوں اسی لئے سب سے زیادہ بیوی
کو شوہر کے حالات و کیفیات سے واقفیت ہوتی ہے۔ حضرت مولانا
کی زوجۂ محترمہ نے ایک بار کسی کے پوچھنے پر حضرت مولانا کی بیقراری
کو اس طرح بیان کیا؟

جیسی میری شادی ہوئی اور میں رخصت ہو کر مولانا کے گھر
گئی تو میں نے دیکھا کہ مولانا راتوں کو بہت کم سوتے ہیں ان کی راتیں
بستر پر کروٹ بدلنے اور آہ بھرنے میں گذرتی ہے میں نے کہا کہ یہ
کیا بات ہے کہ آپ کو راتوں کو نیند نہیں آتی۔ مولانا نے ایک

آہ بھری اور فرمایا کہ بتاؤں؟ اگر تمکو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے' دو ہو جائیں''۔ اور پھر اپنی ہمت طاقت مال و زر سب کچھ ان میواتیوں پر اور ان کے ذریعہ اس تبلیغی کام پر لگا دیا اور صدیقی شان کا مظاہرہ کرکے دکھلا دیا کہ اپنے گھر سوائے خدا اور رسول کے کچھ نہ چھوڑا۔ حضرت مولانا نے اپنے ایک مکتوب میں میواتی حضرات کو تحریر فرمایا ''میں اپنی قوت و ہمت کو تم میواتیوں پر خرچ کر چکا ہوں میرے پاس بجز اس کے کہ تم لوگوں کو اور قربان کردوں کوئی اور پونجی نہیں ہے میرا ہاتھ بٹاؤ''۔ (مکتوب میانجی عیسیٰ صاحب)

حضرت مولانا سراپا درد و سوز بن کر دیوانہ وار میوات کے علاقہ میں پھرے۔ ایک ایک کا دامن تھاما ایک ایک گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی کئی کئی وقت فاقے گئے، گرمی سردی سے بے پرواہ ہو کر گشت کئے اور جب کبھی حضرت مولانا کے حسب خواہش لوگوں نے لبیک نہ کہا حضرت مولانا بے قرار ہو گئے اور اپنے ان رفقاء سے شکوہ کیا جو پہلے سے کام میں لگ چکے تھے ایک بار ایک مکتوب میں فرمایا۔

'' عیسیٰ تم غور کرو، دنیائے فانی میں کام کے لئے تو گھر کے سارے افراد ہوں اور اس کے لئے صرف ایک آدمی کو کہا جائے اور اس پر بھی نباہ نہ ہو تو آخرت کو دنیا سے گھٹایا یا نہیں گھٹایا؟ ''

اور پھر دنیا نے دیکھا کہ میواتی حضرات نے اپنی جان و زندگی کو قربان کر دیا۔ کہاں ایک گاؤں سے ایک آدمی نکلنا دشوار تھا

اور پھر کہاں ایک ایک گھر سے ایک ہی وقت میں کئی کئی افراد چلوں کیلئے باہر نکلنے لگے وہ میواتی پنج کوسہ کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے، اب ملک ملک اسی دین کی خاطر پھرنے لگے حتیٰ کہ حضرت مولانا نے میواتیوں کی اس قربانی اور ایثار کو سراہتے ہوئے فرمایا۔

" دنیاوی کام میں مصروف رہنے والے بہتیرے ہیں، دین کو فروغ کے لئے کاروبار چھوڑنا اسوقت اللہ نے میواتیوں کو نصیب کیا ہے (مکتوب میاں جی عیسیٰ صاحب)

آج جہاں جہاں اس طریقہ پر جو کچھ کام ہو رہا ہے اس میں ان میواتیوں اور ان سے پہلے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح کا مبارک ہاتھ کام کر رہا ہے

ع یہ سب پودا انھیں کی لگائی ہوئی ہے

آخری حج اور کام کی ترقی

۱۳۵۶ھ میں آپ نے آخری حج کیا اس حج میں جہاز سے لیکر حجاز تک تبلیغ و دعوت کا بڑا چرچہ ہوا اہل عرب نے سنا اور خوب سراہا حج سے واپسی پر اس کام میں حضرت مولانا نے اپنی ساری متاع زندگی لگا دی، میواتیوں کی جماعتیں مختلف صوبوں شہروں میں بھیجیں دہلی کے تاجروں کو حضرت مولانا سے بہت زیادہ تعلق ہو گیا تھا ان میں جو معمر اور سن رسیدہ لوگ تھے ان کا

تعلق حضرت مولانا کے والد محترم اور بھائی سے پہلے ہی سے تھا اور بستی میں آمد و رفت اور ان بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور وہ گویا حضرت مولانا کے دست و بازو بن گئے. بستی نظام الدین میں ہر جمعہ کی شب کو اور مہینہ کی آخری چہارشنبہ کو جامع مسجد میں جمع ہوتے تھے۔ حضرت مولانا کے اثر انگیز اور روح پرور کلمات سنتے تھے دہلی کی تمام جماعتوں کا امیر حافظ مقبول حسن (جو حضرت مولانا کے پرانے رفیق کار اور مجاز بیعت ہیں) کو بنا دیا جنھوں نے اپنی مستعدی اور فرض شناسی سے دہلی کے کام بہت آگے بڑھا دیا اس میں حضرت حافظ فخرالدین صاحب کی توجہات کا بھی بڑا دخل تھا. اکثر نئی دلی کے بعض معززین اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات خصوصًا جامعہ ملیہ کے بعض اساتذہ نیز ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب حضرت مولانا کی خدمت میں آئے اور حضرت مولانا ان کے سامنے بڑے جوش اور تاثر کے ساتھ تقریر فرماتے۔

اسکے علاوہ ہندوستان کے مختلف عربی مدارس کے علماء اور طلباء خصوصًا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مظاہر علوم سہارنپور دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے مقام پر کام شروع کیا اور یہ بات اس وقت ہوئی جب کہ ۵۸-۵۹ھ میں اس تحریک

و دعوت کے متعلق ملک کے مختلف رسائل میں مضامین شائع ہوئے اور اہل علم و اہل مدارس نے اس طرف توجہ دی، حضرت مولانا اس کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتے تھے کہ اہل علم حضرات اس طرف توجہ کریں. علماء نے اس طرف توجہ کی تو حضرت مولانا نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ مرادآباد کے تاجروں اور مدرسوں میں بھی کام ہوا اول اول حضرت مولانا نے ایک جماعت بھیجی جس نے تین روز کام کیا مگر لوگ مانوس نہیں ہوئے، جماعت مایوس ہوئی پھر حضرت مولانا نے واپس کیا پھر وہ لوگ لوٹ آئے پھر واپس کئے گئے انھوں نے ٹوٹے ہوئے دل سے دعا کی اور پھر کام کیا اور مقامی لوگوں نے شرکت کی اور پھر مرادآباد، کام کا ایک مرکز بن گیا، حضرت مولانا کے آخری دنوں میں بکثرت لوگ آنے جانے لگے اور کام میں جڑنے لگے خصوصًا کئی اشخاص نے مرادآباد کے کام کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا جو علمی لیاقت اور سیاسی سوجھ بوجھ اور تنظیم کار میں ملکہ رکھتے ہیں ان کی محنت اور جدوجہد اور حضرت مولانا سے تعلق و قرب نے تبلیغی کام کو بہت آگے بڑھا دیا اور کام کو بہتر سے بہتر استعداد اور گوناگوں صلاحیتیں رکھنے والے کارکن ہوئے۔

سنہ ۱۳۶۰ھ میں قصبہ نوح میں ایک بڑا اجتماع کیا گیا۔ میوات

کی سر زمین میں اس سے پہلے اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا۔

شرکار جلسہ کا اندازہ ۲۵ ہزار کا کیا جاتا ہے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب جو اس اجتماع میں شریک تھے۔ فرماتے تھے کہ میں ۳۵ سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہوا ہوں لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا۔

یہ انسانوں کا جنگل ایک جلسہ بھی تھا ایک خانقاہ بھی۔ اور ایک مدرسہ بھی حضرت مولانا نے اس اجتماع میں عوام میں امرار میں علمار ومشائخ میں تقریر فرمائی اور کھل کر اپنی بات کہی۔

اس اجتماع کے بعد میواتی دہلی کے تاجر، مدارس کے علمار کالجوں کے طلبار باہم مل جل کر جماعتیں بنا بنا کر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھرنے لگے خصوصاً سہارن پور، خورجہ علی گڈھ، بلند شہر، میرٹھ، پانی پت، کرنال، رہتک کے دورے بار بار ہوئے ان کے علاوہ کراچی اور پشاور کو جماعتیں بھیجیں...

کراچی کے حاجی عبدالجبار، حاجی عبدالستار صاحب (ایس جے اینڈ جی فضل الہٰی) کا تعلق حضرت مولانا سے

اچھا خاصہ تھا، اور انھیں کی دعوت پر کراچی جماعت گئی تھی ۱۳۶۳ھ میں لکھنو ایک بڑی جماعت جس میں میواتی اور دہلی کے تجربہ کار تاجر تھے، گئی اور بعد میں حضرت مولانا تشریف لے گئے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں کئی دن قیام فرمایا شہر کے محلوں میں جماعتوں کے روزانہ گشت ہوئے اور مختلف مقامات پر اجتماعات ہوئے جن میں حضرت مولانا کے خطاب ہوئے لکھنؤ کے علماء اور مشائخ سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں ہوئیں جن میں خصوصی طور پر فرنگی محل کے مولانا قطب میاں صاحب اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی قابل ذکر ہیں ان دنوں میں لکھنؤ کی فضاء دعوت و تبلیغ کی آواز سے گونج اٹھی اور سوتا ہوا شہر صدائے ایمان و یقین سے جاگ اٹھا لکھنؤ کے اثناء قیام میں ایک دن کے لئے رائے بریلی (تکیہ شاہ) تشریف لے گئے اور واپسی پر کانپور ہوتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست خواب ناز میں۔

بیماری اور انتقال

حضرت مولانا ہمیشہ سے کمزور تھے۔ دین کی تڑپ

اور کام کی بے چینی اور مسلسل بے قراری نے اندر اندر گھلا دیا تھا۔ اور آخر کار مرض نے آ گھیرا پیچش کی شکایت ہوگئی کمزوری بڑھتی گئی اور حضرت مولانا لاغر ہو تے گئے لیکن مرض کے ساتھ ساتھ بے قراری بڑھتی گئی، دو آدمیوں کے سہارے جماعت میں شرکت فرماتے کبھی کبھی غفلت ہونے لگی اور دورہ پڑنے لگا جب بھی ہوش آتا تو دین کی وہی بے قراری سامنے آ جاتی ایک بار دو گھنٹے کی غشی طاری ہوگئی یکایک آنکھیں کھلیں تو زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے اَلْحَقُّ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى، پھر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی پھر تین دفعہ فرمایا كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ حق ہے)

پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا، کاش علماء اس کام کو سنبھال لیتے اور پھر ہم چلے جاتے۔

اس زمانہ میں علماء، طلباء، انگریزی تعلیم یافتہ، سیاسی شخصیتوں اور مذہبی حلقوں کے حضرات برابر آتے رہتے مرکز میں ہر وقت ازدحام رہتا اور مختلف لوگ حضرت مولانا کے لبوں سے کان لگا لگا کر سنتے اور اس پیغام کو لوگوں تک پہونچاتے رہتے۔ حضرت مولانا صاحب فراش

تھے، آواز پست سے بہت تر" مگر بے چینی اور تڑپ جار
سے بڑھ کر

ایک صبح کو آپ نے زمزم پیتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی الشَّھَادَۃَ فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ۔

زندگی کے آخری شب میں پچھلے پہر اپنے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب سے فرمایا کہ یوسف! آمل لے ہم تو چلے اور صبح کی آذان سے پہلے جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔

جان ہی دے دی جگرؔ پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

حضرت مولانا کا انتقال ۱۱ رجب سنہ ۱۳۶۳ھ کو ہوا حضرت مولانا کے انتقال سے رنج و غم کی فضا چھا گئی اور ہر ایک نے انتہائی حزن و ملال کا اظہار کیا اور امت محمدیہ پر حضرت مولانا کے احسانات پر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے زبان حال سے کہا۔

فَاذْهَبْ كَمَا ذَهَبَتْ غَوَادِي مُزْنَةٍ
اَثْنیٰ عَلَيْهَا السَّهْلُ وَالْاَوْعَادُ

پس آپ اس طرح جایئے جس طرح صبح کی بارش کے بادل برس کر جاتے ہیں کہ پہاڑی اور میدانی ہر طرح کی زمینیں ان بادلوں کی ثنا خواں ہوتی ہیں۔

تجہیز و تکفین!

یوں تو پہلے ہی سے مرکز میں ازدحام تھا علماء و مشائخ موجود تھے لیکن انتقال کی خبر سنتے ہی ہر طرف سے لوگ کھنچ کھنچ کر پہونچنے لگے علماء اور فضلاء نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا اعضاء سجود پر جب خوشبو لگانے لگے تو حاجی عبدالرحمٰن صاحب میواتی نے فرمایا کہ پیشانی پر اچھی طرح خوشبو لگا دو یہ گھنٹوں سجدے میں لگی رہتی تھی۔

❖ ❖ ❖

(٢) دعوت کا انہماک

یہاں چند واقعات مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان کی روایت اور حوالہ سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے اس شدتِ علالت میں بھی اپنے کام میں مولانا کی یکسوئی اور کامل انہماک واستغراق کا اندازہ ہوگا

اپریل کے آخری ہفتے میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری زیارت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے اس کے ۲ دو دن پہلے حضرت پر نہایت سخت دورہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے ضعف بے حد ہو گیا تھا کہ دو چار منٹ بھی بات کرنے کی سکت نہ تھی۔

شاہ صاحب کی خبر سن کر اس ناچیز کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ مجھے ان سے ضروری باتیں کرنی ہیں لیکن صورت یہ ہوگی کہ تم اپنے کان میرے منہ کے قریب کر دینا اور میں جو کچھ کہوں ان سے کہتے جانا۔

چنانچہ جب شاہ صاحب اندر بلائے گئے تو بات شروع ہوئی تو مجھ ہی سے فرمایا لیکن دو تین منٹ بعد ہی اتنی.... قوت آگئی کہ خود مخاطب ہو گئے اور تقریباً آدھ گھنٹے مسلسل تقریر

فرماتے رہے۔

ایک بار طویل غشی کے بعد فرمایا۔

مولوی صاحب اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ یہ کام پورا ہوگا اور اللہ پاک کی مدد اس کو اتمام تک پہونچادے گی مگر شرط یہ ہے کہ اس کے وعدۂ نصرت پر کامل یقین اور بھروسہ کے ساتھ اس سے نصرت کو مانگتے رہو اور اپنی امکانی کوشش میں کمی نہ کرو۔

یہ فرمانے کے بعد پھر آنکھیں بند ہوگئیں تھوڑی دیر کی گہری خاموشی کے بعد صرف اتنا فرمایا کہ :-

" کاش علماء اس کام کو سنبھال لیتے اور پھر ہم چلے جاتے"

عجب تماشہ تھا اس علالت میں حضرت کی قوت وصحت جوں جوں گرتی جاتی تھی احیاء دین کی تڑپ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ روز بروز اسی قدر بڑھتا جاتا تھا۔ ضعف ونقاہت کے لحاظ سے حضرت کی مہینوں وہی حالت رہی جس حالت میں اچھے اچھوں کو سوائے خاموش پڑے رہنے کے اور کچھ گوارہ نہیں ہوتا ہے لیکن اس سارے عرصہ میں دیکھنے والوں نے ان کو تین ہی حالتوں میں دیکھا۔

(۱) یا اس کام (احیاء دین) کی سوچ وفکر میں ڈوبے ہوئے ہیں (۲) یا اس کے لئے دل کی انتہائی شکستگی

کے ساتھ دعا فرما رہے ہیں، کارکنوں کے لئے اخلاص، ثبات استقامت، اتباع طریق محمدی اور اصول مرضیہ کی پابندی اور پھر رضاء و قبول اپنے اللہ سے مانگ رہے ہیں اور ایسے سوز سے مانگ رہے ہیں کہ بعض وقت پاس والوں کو رونا آجاتا ہے۔

(۳) یا اس سلسلہ میں احکام و ہدایت دے رہے ہیں۔

حتی کہ علاج کے سلسلے میں جو طبیب یا ڈاکٹر آئے ان سے پہلے اپنی بات کہتے اس کے بعد ان کو دیکھ بھال کا موقعہ دیتے ایک دن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلی کے ایک مشہور ڈاکٹر کو لائے مولانا نے اپنی بات کیسے عجیب انداز میں ان سے کہی۔ فرمایا:-

" ڈاکٹر صاحب آپ کے پاس ایک فن ہے جس سے مخلوق استفادہ کرتی ہے لیکن وہ فن وہ ہے جس کو ماننے کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند ظاہری معجزے (اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دینا) (مردوں کو زندہ کر دینا) دے کر بھیجا گیا اور یہ آپ جان سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو روحانی علوم دئے گئے تھے وہ ان ظاہری معجزوں سے بدرجہا افضل اور اعلیٰ تھے تو مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ ہمارے حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو روحانی

واحکام بھیجے گئے ہیں وہ وہ ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ کے روحانی علوم اور ان کی لائی ہوئی شریعت کو بھی غیر چلن دار کر دیا تو ذرا سوچیے کہ آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں کی طرف توجہ نہ کرنا کتنی بڑی چیز کی نا قدری ہے۔

لوگوں سے بس ہم یہی کہتے ہیں کہ وہ اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں ورنہ بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔

اس موضوع (احیاء دین) کے سوا کوئی بات کہنا تو درکنار سننا تک گوارہ نہ تھا۔ اگر کوئی شخص دوسری بات سامنے کرتا تو اکثر اوقات برداشت نہ فرما سکتے اور فورا روک دیتے۔ خدام میں کوئی پوچھتا تو فرماتے:۔

بھئی تندرستی اور بیماری تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے اس میں کیا خیریت! اور بے خیریت؟

خیریت جب ہے کہ جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ کام ہو اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو چین ہو، صحابہ کرام کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جس حال میں چھوڑا تھا اس میں ادنیٰ تغیر آنے کو بھی وہ خلاف خیریت سمجھتے تھے۔

حاجی عبدالرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ مولانا کے

وطن کاندھلہ سے آپ کے کچھ اعزہ عیادت کے لئے آئے. مولانا نے پوچھا کس لئے تم آئے ہو؟ کہنے لگے آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لئے" فرمایا جو مٹنے کے لئے بنا ہے اس کی خیریت پوچھنے کے لئے کاندھلہ سے یہاں آئے ہو. اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا دین عزیز جو مٹنے والا نہیں ہے وہ مٹا جا رہا ہے تم اس کی خبر نہیں لیتے ہو.

(ماخوذ از مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت)

فرماتے تھے کہ میرے لئے کسی دوسری چیز سے اشتغال کب جائز ہے؟ جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ ان حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو (مسلمانوں کی موجودہ حالت اور دین کے ضعف وتنزل اور کفر کے غلبہ سے) اذیت ہے.

ایک روز ایک خادم نے شکایت کی کہ جو شفقت اور نظر خاص پہلے تھی اس میں کمی معلوم ہوتی ہے. فرمایا میں مشغول بہت ہوں میں محسوس کر رہا ہوں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہے میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا ہوں.

کبھی اپنی مثال اس سپاہی سے دیتے جو چوراہے پر کھڑا سواریوں اور گاڑیوں کو قابو رکھتا ہے ....

اور ان کو چلنے اور رکنے کے اشارے کرتا ہے، فرماتے کہ دوسرے کام بھی اہم اور مفید ہیں مگر اس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹنا ممنوع اور خطرناک ہے دوسری چیزوں سے ایسی توجہ ہٹالی تھی اور اپنے کاموں میں ایسے مشغول ہو گئے تھے کہ ماحول کی بہت سی چیزوں کی طرف موقع نہیں ملتا تھا۔

شادی اور دعوت

ایک دفعہ دلیؒ کے کسی مخلص کے یہاں شادی میں آپ کو شرکت کرنی پڑی آپ نے شادی کے خاص بھرے مجمع میں فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

"آج آپ کے یہاں وہ خوشی کا دن ہے جس دن میں کمینوں تک کو خوش کیا جاتا ہے۔ گوارہ نہیں ہوتا کہ گھر کی بھنگن ناخوش رہے۔

تبلائیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خوش کرنے کی بھی کوئی فکر آپ لوگوں کو ہے؟ پھر آپ نے تبلیغ اور حضور کی خوشی کا سب سے بڑا ذریعہ تبلاتے ہوئے اس کے لئے حاضرین کو دعوت دی۔

❖ ❖ ❖

سفارش اور دعوت

مولانا اول تو کسی دعوت اور تبلیغ کے سوا کسی اور ضرورت سے شاذ و نادر ہی خط لکھتے پھر اگر لکھتے تو پہلے اپنی بات لکھتے پھر کوئی دوسری بات۔

ایک مرتبہ میرے سامنے ایک میواتی طالب علم نے درخواست کی کہ اسکے لئے مولانا طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو سفارش کا ایک خط لکھدیا جائے۔ مولانا نے وہ خط لکھوایا۔ سارا تبلیغ کا ذکر تھا آخر میں ایک دو سطریں اس کی سفارش تھی۔

محض جسمانی خدمت اور ذاتی تعلقات سے خفگی

مولانا کو اگر کسی بات سے یہ اندازہ ہوتا کہ کسی شخص کو محض میری ذات سے تعلق ہے تو بہت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ دین سے تعلق ہونا چاہیے، کسی ایسے شخص

کی خدمت قبول کرتے اور اس سے راحت حاصل کرنے کے روادار نہ تھے جو محض جسمانی خدمت پر اکتفا کرتا۔

ایک مرتبہ ایک میواتی سر پر تیل کی مالش کر رہے تھے تھوڑی دیر بعد ان پر نظر پڑی پہچان لیا۔ فرمایا تم کبھی تبلیغ میں حصہ نہیں لیتے تم سے کام نہیں لے سکتا۔ چھوڑ دو۔ ایک پھیر مرتبہ ایک مرتبہ آگے بڑھے مولانا منظور صاحب سے فرمایا کہ ان کو مجھ سے بہت تعلق و محبت ہے مگر کبھی انھوں نے میری یہ بات نہیں مانی اور میری دعوت قبول نہیں کی یوں دل و جان سے میری خدمت کے لئے حاضر ہیں آپ ان کو لے جا کر سمجھائیے کہ اس کام میں حصہ لیں اسکے بغیر مجھے تکلیف ہوتی ہے مولانا الگ لے گئے اور ان سے گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ میں تو تہیہ کر کے آیا ہوں کہ اب حصہ لوں گا۔ مولانا نے جا کر اطلاع کی آنے کی اجازت دی۔ اور ان کے ہاتھ چوم لئے۔

تعلقات اور دعوت

خاکسار (مولانا ابوالحسن علی ندوی) کبھی اپنے بعض عزیزوں سے ملنے جاتا تو واپسی پر پوچھتے کہ اپنی بات بھی کہی تھی اور

اور ان کو اس کام کی دعوت بھی دی تھی؟ میں نفی میں جواب دیتا تو فرماتے کہ مولانا تعلقات جبتک محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے نہ آئیں، مردہ ہیں (یعنی جب تک ان کو دین کی تقویت و دعوت، کا سبب نہ بنایا جائے ان میں خیر و برکت اور روح نہیں)

تقریبات میں شرکت اور دعوت

تقریبات میں شرکت اور دعوت کو صرف اسی مقصد کے لئے درست سمجھتے تھے اور آپ کے نزدیک ان کا یہی فائدہ تھا خود اپنے گھر کی ایک مجلس عقد کی اطلاع اس طرح دیتے ہیں۔

اس دور انحطاط میں بندہ ایسے موقعوں کے اجتماع کو مسلمانوں کی بے حسی سمجھتا ہے مگر چونکہ اپنے بزرگ علماء و مشائخ تشریف لا رہے ہیں اس لئے اطلاعاً تحریر ہے تاکہ جملہ احباب تشریف لا کر سعادتِ دارین حاصل کریں اور بندہ کو اپنے تبلیغی نظام کے پیش کرنے کا موقع دیں۔

لایعنی سے اجتناب کی وصیت

لایعنی (جو بات دینی حیثیت سے کچھ مفید اور دنیاوی حیثیت سے کچھ ضروری نہ معلوم) سے بڑی نفرت اور اجتناب تھا اور اس کی دوسروں کو بھی وصیت فرماتے اور تبلیغ میں نکلنے والوں کو بالخصوص تاکید فرماتے، فرماتے تھے کہ لایعنی اشتغال کام کی رونق کو کھو دیتا ہے جس بات میں دین کا فائدہ نہ دیکھتے اس کو تضییع اوقات (وقتوں کو برباد کرنے والا) سمجھتے، ایک مرتبہ میں چبوترہ کے پاس کھڑا ہوا ذوق وشوق کے ساتھ مولوی سید رضا حسن صاحب سے کوئی پرانا واقعہ اور کسی تبلیغی سفر کی روداد سن رہا تھا، مولانا نے سنا اور فرمایا کہ یہ تو تاریخ ہوئی کچھ کام کی بات کیجیے۔

وقت کی قدر

مولانا وقت کی بڑی قدر کرتے تھے اور اس کو اپنا سرمایہ سمجھتے تھے۔ اس کو بیکار صرف کرنے سے بڑا درد ہوتا تھا

ایک مرتبہ نئے خطوط دیکھے جا رہے تھے، ایک پرانا لفافہ جو پڑھا جا چکا تھا کچھ منٹ اس کی تحقیق میں صرف ہوئے پھر معلوم ہوا کہ وہ پڑھا جا چکا ہے فرمایا اس کو پھاڑ ڈالو، ورنہ یہ پھر وقت ضائع کرے گا، پھر فرمایا کہ یہی وقت تو ہمارا سرمایہ ہے۔ اس سرمایہ کو مولانا نے جس طرح دیکھ بھال کر صرف کیا اور اس کی جیسی قدر و قیمت پہچانی، وہ اس کے اس عظیم الشان اور عہد آفریں کلام سے ظاہر ہے جو اسوقت دنیا کے سامنے ہے اتنا بڑا کام اسی وقت انجام پا سکتا تھا کہ وقت بالکل ضائع نہ کیا جائے۔ اور کسی خلاف مقصد اور غیر مفید مطلب بات میں اس کا کوئی حصہ صرف نہ ہو

مبلّغین کی آمد پر حضرت والا کی خوشی

مبلغین کی آمد کا انتظار عید کے چاند کے انتظار سے کم نہیں تھا ایک کارکن کو جو ایک جماعت لانے والے تھے لکھتے ہیں "جمنا کے کنارے کنارے جو مبلغین کی جماعت آوے گی اس کا مجھے ایسا ہی انتظار ہے جیسے عید کے چاند کا ہوتا ہے۔ بہت اہتمام سے اس جماعت کو لاؤ۔

❋ ❋ ❋

بے اصولی کا حضرت پر اثر

اسی طرح بعض اوقات جماعتوں کی کسی بے اصولی اور کوتاہی کا ایسا اثر پڑتا کہ بیمار ہو جاتے۔ ایک مرتبہ حاضر ہوا تو فرمایا کہ میں تو سہارنپور سے آکر بیمار ہو گیا میں نے عرض کیا کہ کیا سبب ہوا۔ فرمایا کہ باہر سے جو جماعتیں آئی تھیں انھوں نے اصول کی پابندی نہیں کی لایعنی سے احتراز نہیں کیا اور شہر میں سیر و تفریح کرتے رہے

مصیبت پر حضور کی مصیبت کی یاد دہانی

کلتاج پور میں پہاڑ کی چڑھائی تھی بیل گاڑی کا سفر تھا گاڑی راستہ میں الٹ گئی لوگوں کو چوٹ آئی، خدا خدا کرکے اوپر پہونچے لیکن نہایت خستہ، گرد آلود بعض وہ علماء بھی ساتھ تھے جو تکلیفوں کے عادی نہیں تھے لیکن بجائے اس کے کہ لوگ تکان اور تکلیف اور خستگی کی شکایت کرتے مولانا نے یہ کہہ کر ان کی طبیعت کا رُخ بدل دیا کہ دوستو! ساری عمر میں آج ایک دن تم کو جو حرا کی سی چڑھائی پیش آئی۔ بتاؤ

وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کتنے بار پیش آئی
تھی ہمیں اپنی اس محرومی اور کوتاہی پر شرمندہ ہونا چاہئے
اب کون تھا کہ حرفِ شکایت زبان پر لاتا۔

حضرت مولانا کا یقین کامل

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے بالکل صحیح لکھا ہے
جسمانی لحاظ سے اگرچہ نہایت نحیف و ناتواں تھے مگر اس
مقدس مقصد کے لئے ایسی انتھک اور اس قدر بے پناہ جد وجہد
کرکے دکھائے کہ میرا اندازہ ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص کے سامنے
جنت اپنی ساری نعمتوں اور دلفریبیوں کے ساتھ اور جہنم
اپنی ساری ہولناکیوں سمیت منکشف کردی جائے اور اس
سے کہا جائے کہ یہ کام کروگے تو یہ جنت ملے گی اور نہیں کرو
گے تو اسی جہنم میں ڈالے جاؤگے تو شاید اسکی سعی جد وجہد
اس سے زیادہ نہ ہوسکے گی جو مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ
کی بالخصوص آخری زمانہ میں تھی۔

بیماری اور دعوت

ایک صاحب کی بیماری کے متعلق فرمایا ایسے زمانہ میں
کہ روٹیوں کے واسطے جانیں جارہی ہوں دنیا کی کوشش

ہیں بیجا رکا آجانا کچھ بڑی بات نہیں۔

حضرت کی تمنا

مولانا کے نزدیک چند سو آدمیوں کا تبلیغ اور علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلنا اور شہر شہر پھرنا کوئی بڑی بات نہ تھی ان کی بلند ہمتی چاہتی تھی کہ کاش ایسا وقت ہو جائے کہ قوم کے لاکھوں آدمی باہر گئے ہوں قوم کے لاکھوں آدمیوں کا باہر پھرتے رہنا جزِ زندگی بنا دیا جائے

عربی زبان کی تمنّا

اُن کے نزدیک میوات کے اخلاق و عادات کا بدل جانا کافی نہ تھا وہ ملک کی زبان تک بدل دینا چاہتے تھے ان کی خواہش تھی کہ سارے ملک میوات کی زبان عربی ہو جائے اور ان کے نزدیک اللہ کی مدد اور انسان کی (اللہ کی توفیق سے) کوشش کے سامنے دنیا کی کوئی چیز بھی ناممکن نہ تھی ان کی خواہش تھی کہ کم از کم عربی مدارس کے حلقہ میں ضرور عربی زبان کا احیاء ہو۔ خاکسار کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر ہے۔

"بندہ ناچیز کے دماغ میں کچھ ایسے ایسے خیالات ہیں

کہ قبل از وقت ہونے کی بنا پر زبان سے نکالنے کو جی نہیں
چاہتا ہے اگر اس زمانہ تبلیغ میں طلباء کی باہمی گفتگو کے
عربی ہونے کے لازمی ہونے کا اہتمام اور التزام چل سکتا ہو
تو اس پر بھی نظر غائر فرمالیں اور جب اس کی اطلاع دی گئی کہ
اس پر عمل ہوا تو نہایت مسرور ہو کر تحریر فرمایا۔ زبان عربی کے
احیاء سنت سے مسرت ہوئی حق تعالےٰ دیگر اہل مدارس کی توجہ
کا ذریعہ بنائیں۔

لال قلعہ

ایک دن خاکسار راقم نے لال قلعہ کے پاس سے گذرتے
ہوئے پوچھا کہ کبھی جناب نے لال قلعہ بھی دیکھا ہے؟ فرمایا
میں لال قلعہ کی سیر کو بے حمیتی سمجھتا ہوں۔ ہاں میں نے بچپن
میں اسوقت دیکھا ہے جب دکھانے والے دو رد کرد دکھاتے
تھے۔ غیر مسلم اہل شوکت کے مقامات و مرکزوں کے متعلق فرماتے
تھے کہ اگر کوئی شخص ان جگہوں سے قنوت نازلہ پڑھے بغیر
گذرے تو سلب ایمانی کا خطرہ ہے۔

مشرقی امتحانات

مولانا کو سرکاری یونیورسٹیوں کے مشرقی امتحانات سے
بڑی کوفت تھی۔ فرماتے تھے کہ اس سے نسبت بدل جاتی ہے

یعنی علم دین کا تعلق اللہ کے بجائے دنیا اور مادیت سے قائم ہو جاتا ہے اور برکت و نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔

مولانا پر یہ بہت گراں تھا کہ عربی زبان اور دینی علوم میں بھی مسلمان غیر مسلموں کے دستِ نگر اور ان کے ماتحت ہوں غالباً مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ " حافظ صاحب مجھے بڑی غیرت آتی ہے کہ مسلمانوں کی عربیت کی جانچ کرنے والے کفار ہوں۔

محاسبۂ نفس

آپ نے آخری وقت تک اپنی طرف سے اطمینان نہیں کیا اور نفس کے محاسبہ او رنگرانی سے غافل نہیں ہوئے بلکہ جس قدر لوگوں کا رجوع بڑھتا رہا اپنی طرف سے زیادہ غیر مطمئن اور خائف ہوتے گئے اور احتساب نفس کا کام بڑھاتے رہے بعض اوقات اہل حق اور اہل بصیرت کو بڑی لجاجت سے اس طرف متوجہ فرماتے کہ وہ آپ پر نظر رکھیں اور اگر کہیں عجب و کبر کا شائبہ نظر آئے متنبہ کریں، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

" عزیز محترم! حضرت شیخ الحدیث و حضرت المحترم جناب ناظم صاحب

دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے ایک مضمون جس کا
قبل از رمضان مجھے بہت زیادہ اہتمام تھا اپنی قوت بشریہ
کے ضعف ایمانی کی بنا پر بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا۔
وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کام اتنا وسیع
ہو گیا ہے کہ اب اس کی روز افزوں ترقی و مقبولیت کو دیکھ کر
میں اپنے نفس سے بالکل مامون نہیں ہوں کہ وہ کہیں عجب و تکبر
میں نہ مبتلا ہو جائے لہٰذا آپ جیسے اہل حق کی نگرانی کا میں
سخت محتاج ہوں اور آپ کی نگرانی کا آپ حضرات مجھے ہر وقت
محتاج خیال کریں کہ اس میں خیر پر مجھے جمنے کی تاکید فرما دیں اور
اس میں کی شر سے مجھے جھنجھلا کر منع کر دیں۔

۲۲ رمضان سنہ ۱۳۶۲ھ (۲۳ ستمبر سنہ ۴۳ء)

منکرات کی مخالفت

مولانا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے میں خاص
اصول اور ترتیب و تدریج کے قائل تھے لیکن جب کھلا ہوا منکر
پیش آجاتا تو قطعاً کوئی مداہنت اور رواداری گوارا نہ کرتے
فاذا تعدی الحق لم یقم لغضبہ شیٔ" (جب کوئی بات

خلاف حق پیش آجاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کو
کوئی چیز نہ روک سکتی) پھر اس استقامت اور تورع کا اظہار
فرماتے جوان کے اسلاف کرام اور مشائخ اور علماء راسخین کا
شیوہ ہے۔

دعا کیطرف توجّہ

اہم موقعہ پر (اور مولانا کے نزدیک ہر تبلیغی موقع
کی اہمیت تھی) خود بھی دعا کی طرف متوجہ ہوتے اور اہل دعا
کو بھی بڑے اضطرار کے ساتھ دعا کی طرف متوجہ فرماتے

آخری ایام میں ایک دن معالج ڈاکٹر نے کہا کہ ان
کے تمام اعضاء ایک ایک کر کے ماؤف ہو چکے ہیں صرف قلب
کی طاقت ہے جو ان کو تھامے ہوئے ہے، یہ بھی کہا کہ ان کی حالت
کو اپنے اوپر قیاس نہ کیجئے جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں جسمانی طاقت
نہیں ہے۔ یہ روحانی قوت ہے جس کو عام لوگ نہیں سمجھتے

(۳) حضرت کے خیالات و نظریات

دین دار اور دنیا دار کی تقسیم

مولانا اس تقسیم کے قائل نہ تھے کہ کچھ لوگ دین کی
خدمت کریں اور کچھ لوگ اطمینان سے اپنا کاروبار کریں

اور دنیاوی ترقی میں مشغول رہیں اور کبھی کبھی اہل دین کی اعانت و خدمت کردیا کریں اور سمجھ لیں کہ تقسیم عمل کے اصول سے علماء اور اہل دین کے ذمہ دین کی خدمت ہے اور ان کے ذمہ دنیاوی ترقی اور اہل دین کی حسب توفیق لبس مالی امداد ہے۔

مولانا فرماتے تھے کہ :- جس طرح زندگی کے ضروری کاموں میں تقسیم عمل نہیں، اس پر کوئی راضی نہیں کہ ایک کھالیا کرے دوسرا پی لیا کرے اور تیسرا پہن لے بلکہ ہر شخص ان میں سے ہر کام فرداً فرداً اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے اسی طرح مذہب کے فرائض کی پابندی دین کا ضروری علم حاصل کرنا اور فی الجملہ دین کی نصرت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی تھوڑی بہت کوشش ہر شخص کے لئے کسب معاش کے ساتھ ضروری ہے۔

دہلی میں میوائیوں کا قیام

ان تمام وجوہ کی بنا پر مولانا شہروں کے مسلمانوں کے لئے اپنی یہ دعوت بہت ضروری سمجھتے تھے اور بہت زور کیساتھ ان کے سامنے یہ دعوت بہت ضروری سمجھتے تھے بلکہ عملی نمونہ اور عملی آغاز کے بغیر اس کو مضر سمجھتے تھے ایک گرامی نامہ میں ارشاد فرمایا:-

جب تک عوام کے سامنے عملی نمونہ نہ ہو محض ممبروں کی تقریر عمل پر پڑنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی اگر تقریر کے بعد عمل پر پڑنے کی تجویز اور تشکیل نہ ہو تو عوام کے اندر ڈھٹائی اور بے ادبی کے لفظ بولنے کی عادت پڑ جائے گی چنانچہ آپ نے دہلی شہر اور دوسرے بڑے بڑے مرکزوں میں میواتیوں کی جماعتیں بھیجنی شروع کیں اور انھوں نے دہلی میں طول قیام کرنا شروع کیا۔ ابتداء میں ان کو دہلی میں بڑی دقتیں پیش آئیں ان کو مسجدوں میں رات کو جگہ دینے سے انکار کر دیا جاتا کسی مسجد میں اگر ٹھہر بھی گئے تو ضروریات پوری کرنے میں بڑی تکلیف ہوتی لوگ ان کی شکایتیں کرتے اور بُرا بھلا کہتے وہ شہر کی تکلیفوں سے دق ہو کر اور اہل شہر کی بے مہری سے تنگ آ کر اپنے امراء اور ذمہ داروں سے شکوہ کرتے۔ وہ غریب کبھی اہل محلہ کی خوشامد کرتے کبھی اپنے میواتی بھائیوں کو سمجھا بجھا کر خاموش کرتے مگر یہ ایک مستقل جہاد اور آزمائش تھی جو روزانہ پیش آتی تھی رفتہ رفتہ دقتیں دور ہوئیں لوگوں کی نگاہیں اور سلوک بدل گئے اور اپنے جوش و اخلاص اور قربانی کی وجہ سے میواتی بھائی محبت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اہل علم کی طرف توجہ

آپ نے اپنے نزدیک اس کا فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک اہل حق اور اہل علم اس کام کی طرف متوجہ نہ ہوں گے اور اسکی سرپرستی نہ کریں گے اسوقت تک اس اجنبی دعوت اور اس نازک اور لطیف کام کی طرف سے (جس میں بڑی دقیق رعایتیں اور نزاکتیں ملحوظ ہیں) اطمینان نہیں کیا جاسکتا ہے آپ کو اس کی بڑی آرزو تھی کہ اہل علم اس کام کی طرف توجہ کریں اور اپنی قابلیتوں اور خداداد صلاحیتوں کو اس کام کے فروغ میں لگائیں جس سے اسلام کے درخت کی جڑ شاداب ہوگی۔ اس سلسلہ میں آپ علماء سے صرف وعظ و تقریر ہی کے ذریعہ اعانت نہیں چاہتے تھے بلکہ آپ کی خواہش اور آپ کا مطالبہ علماء عصر سے سلف اول کے طرز پر اشاعت کے لئے عملی جد و جہد اور دربدر پھرنے کا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ ایک خط میں لکھتے ہیں

عرصہ سے میرا خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعت دین کے لئے خود جاکر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لئے گشت نہ کریں اسوقت تک یہ کام درجہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

کیوں کہ عوام پر جو اثر اہل علم کے عمل و حرکت سے ہوگا وہ انکی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہو سکتا اپنے اسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرات اہل علم پر بخوبی روشن ہے۔ درس و تدریس سے تعلق رکھنے والے بعض بزرگوں کو شبہ تھا کہ تبلیغ و اصلاح کی اس کوشش میں مدرسین اور طلبہ مدارس کا اشتغال ان کے علمی مشاغل اور علمی ترقی میں حارج ہوگا لیکن آپ جس طرح اور جس منہاج پر علماء مدارس اور طلبہ سے یہ کام لینا چاہتے تھے وہ درحقیقت علماء اور طلبہ کے علوم کے ترقی اور پختگی کا ایک مستقل نظام تھا ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں۔

علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی پا سکتا ہے میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہونچے یہ میرے لیے خسران عظیم ہے میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہونچانا نہیں ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ علم کی ضرورت ہے اور موجودہ جہاں تک ترقی کر رہے ہیں یہ بہت ناکافی ہے۔

مولانا چاہتے تھے کہ اس تبلیغی کام ہی کے ضمن میں طلبہ اپنے اساتذہ ہی کی نگرانی میں اپنے علوم کے حق کے ادا کرنے

اور مخلوق کو ان سے فائدہ پہونچانے کی مشق کرلیں تاکہ ان کے علوم خلق اللہ کے لئے نافع ہوں ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں

کاش تعلیم ہی کے زمانہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی استادوں کی نگرانی میں مشق ہوجایا کرے تو علوم ہمارے نفع مند ہوں ورنہ افسوس کہ بیکار ہو رہے ہیں ظلمت وجہل کا کام دے رہے ہیں (اناللہ وانا الیہ راجعون)

بہرحال اپنی اس دعوت کو اعلیٰ علمی و دینی حلقوں میں پہونچانے کے لئے آپ نے جماعتوں کا رخ دینی مرکزوں کی طرف کیا

دینی مرکزوں میں کام کے اصول

آپ نے میواتیوں کو دیوبند، سہارنپور رائپور اور تھانہ بھون کی طرف بھیجنا شروع کیا اور ہدایت فرمائی کہ بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ کا ذکر نہ کریں ۵۰، ۶۰ آدمی ماحول کے دیہاتیوں میں گشت کریں اور آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہوجائیں، وہاں سے دیہات کے لئے تقسیم ہوجائیں حضرات اکابر کی طرف سے اگر پوچھا جائے تو بتلا دیا جائے از خود کچھ ذکر نہ کیا جائے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں

میری ایک پرانی تمنا ہے کہ خاص اصولوں کے ساتھ

مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آداب خانقاہ کی بجاآوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں اور جس میں با ضابطہ خاص وقتوں میں حوالی کے گاؤں میں تبلیغ بھی جاری رہے اس بارے میں ان آنے والوں سے مشاورت کر کے کوئی طرز مقرر فرمار کھیں یہ بندہ ناچیز بھی اس ہفتہ بہت زیادہ اغلب ہے کہ چند بوسا کے ساتھ حاضر ہو، دیوبند اور تھانہ بھون کا بھی خیال ہے۔

اہل بصیرت کا اطمینان

اسی طریقہ سے بعض اہل بصیرت کو کام کی طرف سے اطمینان ہونے لگا اور ان کے شکوک و شبہات جو اس کام کے متعلق تھے وہ زائل ہو گئے، تھانہ بھون میں بھی اسی طرح ہوا جماعتیں تھانہ بھون کے ماحول اور آس پاس کام کرتی رہیں اطراف و اکناف سے آنے والے مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جماعتوں کی کارگزاری ان کے طرز و اصول اور ان کے برکات کا ذکر کرتے جو ان کے گشت و قیام سے ان مقامات میں نظر آنے لگے تھے مولانا کو پہلے اس میں بڑا شبہ تھا کہ جب ان علماء کو جنہوں نے آٹھ آٹھ دس دس برس مدرسوں میں تعلیم پائی تھی۔ تبلیغ میں پوری کامیابی نہیں ہوتی بلکہ صدہا ورنئے نئے فتنے

کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ جاہل میواتی بغیر علم و تربیت کے اتنا نازک کام کیسے کریں گے مولانا کی محتاط اور دوررس طبیعت اس کی طرف سے غیر مطمئن تھی کہ کہیں اس طریقہ سے کوئی بڑا فتنہ نہ پیدا ہو لیکن ان میواتیوں کے عملی کام اور قرب و جوار کے متواتر خبروں اور تصدیقوں سے اور پھر ان کی آمد کے برکات کو خود ملاحظہ کرنے سے آپ کو اس کا اطمینان ہوا چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح نے فرمایا کہ "دلائل کی ضرورت نہیں دلائل تو کسی چیز کے ثبوت اور صداقت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں میرا تو اطمینان عمل سے ہو چکا ہے اب کسی اور کی ضرورت نہیں آپ نے تو ماشاء اللہ یاس کو آس سے بدل دیا"

مولانا کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے اور کچھ اور نہیں چھیڑتے تو حضرت مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔

اہل ثروت کا رجوع اور مولانا کا اصول

دہلی اور باہر کے تجار اور اہل خیر نے اس کام کی شہرت

سن کر اور اس کے گراں قدر مصارف کو دیکھ کر مولانا کی
خدمت میں مالی اعانت کی پیش کش کی اور بڑی بڑی رقمیں پیش
کرنی چاہی لیکن مولانا کا اس بارے میں ایک خاص اصول
تھا وہ مال کو جان کا فدیہ، وقت کا بدل اور آدمی کا قائم مقام
کبھی نہیں سمجھتے تھے آپ کے نزدیک روپیہ آدمی کے ہاتھ کا میل
تھا وہ آدمی جیسی قیمتی چیز کا بدل نہیں ہو سکتا چنانچہ مالی
امداد پیش کرنے والوں سے ہمیشہ فرماتے تھے کہ ہمیں تمہارا پیسہ
نہیں چاہیے نہ تمہاری ضرورت ہے انھیں لوگوں کی۔ مالی امداد قبول
فرماتے تھے جن کی کام میں عملی شرکت اور رفاقت ہوتی آپ کے
نزدیک انفاق (راہ خدا میں خرچ کرنے) کی صحیح شکل یہی تھی
اور صدر اسلام میں یہی شکل رائج تھی کہ جو لوگ اللہ کے
دین کے کاموں میں روپیہ خرچ کرتے تھے اور جن کے نام
راہ خدا میں لٹانے والوں کی فہرست میں ہم خاص طور پر
دیکھتے ہیں یہ وہی لوگ تھے جو اسلام کی نصرت میں عملاً شریک
تھے بلکہ صف اول میں تھے۔

بہر حال احیاء دین کی اس جد وجہد میں جو لوگ عملی حصہ
لیتے تھے اور مولانا کو ان کے اخلاص، تعلق اور محبت پر پورا
اطمینان تھا ان کی اعانت کو بے تکلف قبول فرماتے اور دین
کی خدمت کی سعادت میں ان کو خوشی سے شریک کرتے

ایک روز چندہ کی پیش کش کرنے والے ایک صاحب سے
بڑے استغنا اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ فرمایا کہ مجھے
یقین ہے کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین
کا کام کروں گا تو اللہ پاک اس عمارت کو (دارالاقامہ
کی طرف اشارہ کر کے) سونے چاندی کا بنا دے گا۔

علماء سے ربط

مولانا کی دعوت کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ امت کے مختلف
حلقوں اور طبقوں میں جو بعد اور بے گانگی اور غلط فہمیوں کی بنا
پر ایک دوسرے سے جو وحشت اور تنفر پیدا ہو گیا ہے دور ہو
اور ان میں پھر ربط اور تعلق پیدا ہو اور وہ اسلام کے لئے
تعاون و اشتراک عمل کریں ایک دوسرے کی تعظیم اور قدر
کرنا جانیں اور ہر ایک کو دوسرے کے محاسن سے فائدہ
اٹھانے کی توفیق ہو۔

مولانا اس سلسلے میں (جیسا کہ آگے آئے گا) کسی ایسے
طبقہ اور حلقہ کو بھی نظر انداز کرنا نہیں چاہتے تھے جو دینی
حیثیت سے بہت پست اور بعید ہو اسلئے عوام اور علماء کی بیگانگی
اور ایک دوسرے سے دوری اور وحشت کو کسی طرح دیکھ نہیں
سکتے تھے اور اس کو امت کی بہت بڑی بدقسمتی اور اسلام

کے مستقبل کے لئے بہت بڑا خطرہ اور الحاد و بے دینی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے مولانا اس دعوت کے ساتھ یہ امید رکھتے تھے (اور اسکے آثار ظاہر ہونے لگے تھے) کہ اس میں شریک ہونے سے عوام اور علماء ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں گے اور ہر ایک دوسرے کو پہچاننے لگے گا اور اس کی طرف احتیاج محسوس کرے گا۔

مولانا ایک طرف علماء کو عوام کے ذریعے اس دعوت کے ذریعہ قریب ہونے کی اور ان کا درد اپنے دل میں پیدا کرنے کی تاکید فرماتے تھے دوسری طرف عوام کو علماء کی قدر شناسی قدردانی اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے اس طرح تجار اور کاروباری لوگوں کو علماء سے اتنا قریب کر دیا کہ پچھلے برسوں میں غالباً (تحریک خلافت کے بعد) اتنا قریب نہیں ہوئے۔

مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی طرف توجہ

خیالات کے تھوڑے تھوڑے اختلاف سے اور عرصے سے ایک دوسرے سے دور رہنے سے اہل سنت کی مختلف جماعتوں میں ایک دوسرے سے وحشت پیدا ہو گئی تھی ہر جماعت اپنے دین کی حفاظت اس میں سمجھتی تھی کہ دوسرے کے سائے

سے بھاگے ایک دوسرے کے محاسن کی بالکل خبر نہ تھی، ایک دوسرے سے نفع اٹھانے کے راستے عرصہ تک بند ہو چکے تھے ان اختلافات کو زائل کرنے کا طریقہ لوگوں نے صرف مناظرہ ومباحثہ، دوسرے مسلک کی تردید اور اپنے مسلک کا اثبات اور دلائل وبراہین کو سمجھانا. لیکن تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ اس سے اختلافات دور نہیں ہوتے بلکہ اور بڑھتے ہیں، ضد اور عناد پیدا ہوتا ہے اور وحشت میں اور ترقی ہوتی ہے
مولانا کے نزدیک اس کا طریقہ یہ تھا کہ اخلاق واکرام سے ان کے دل کی گرہیں کھولی جائیں اور دل کی سلوٹیں اور ان کی شکنیں دور کی جائیں، تعلق پیدا کیا جائے اور مانوس کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے اور برتنے سے غلط فہمیاں خود بخود دور ہو جائیں گی ان کے دین کے صحیح کام میں لگ جاتے اور اختلاط وصحبت سے اختلاف میں اعتدال پیدا ہو جائے گا اور افراط وتفریط باقی نہ رہے گی اس مرض وفات میں اس کی طرف خاص توجہ ہوئی. اسلئے آپ خاص اصول وہدایت تعلیم فرماتے رہے اور اس سلسلہ میں ایسی نازک باتیں ذہن میں آتی تھیں اور اسکے لئے اتنی دقیق رعایتیں اور وسیع انتظامات اور سلسلے اختیار فرماتے تھے جو شاید اہل سیاست دنیا ہیر بھی اپنے اہم اور نازک

کاموں میں اختیار نہیں کرتے

ہر طبقہ سے جوڑ

مولانا کے نزدیک مسلمانوں کا کوئی طبقہ جو ہر اور مسلمانوں
کا کوئی فرد ہنر سے خالی نہیں ہر طبقہ میں کوئی نہ کوئی ایسی
صفت ہے جو دوسروں میں نہیں ہے!
لہٰذا ہر طبقہ کو دوسرے سے اس صفت میں استفادہ
کرنا چاہئے مولانا ان تمام طبقوں کی ان تمام صفتوں سے
اپنی دعوت و تحریک میں استفادہ کرنا چاہتے تھے اور
اللہ نے اس کا خاص ملکہ عنایت فرمایا تھا کہ ان
صلاحیتوں سے وہ اپنے کام میں فائدہ اٹھا لیتے تھے
خصوصاً جن لوگوں اور طبقوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص
جوہر یا فطری صلاحیتیں اور دین سے مناسبت عطا فرمائی
ہے ان کو دین میں مشغول کرنے اور ان کی اس نجابت
اور صلاحیت سے استفادہ کرنے اور ان سے دین کو فروغ
اور ترقی کا ذریعہ بنانے کا بڑا اشتیاق رکھتے تھے۔
ایک بزرگ ایک کارکن کے بارے میں لکھتے ہیں
سادات کے متوجہ کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہیں کچھ
علم میں بھی اور کچھ تبلیغ میں بھی اور یہ یاد رکھیں اور سمجھتے رہیں

کہ جو لوگ جس قدر زیادہ اہل ہیں ان کے اصلی مرکز تک پہونچنے میں نزاکتیں بھی بہت زیادہ ہیں "

ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضرت ندوہ کے لوگوں نے اہل دین کی طرف ہمیشہ ہاتھ بڑھایا ان کو ہمیشہ بیگانگی اور غیرت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نے ہمارے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور ہمارے ساتھ یگانگت کا معاملہ کیا۔ مولانا کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ "آپ کیا فرماتے ہیں؟ کہ آپ کی جماعت تو اہل دین کی جماعت ہے میں تو علی گڈھ والوں کو بھی چھوڑنے کا قائل نہیں ہوں، ان سے بھی بُعد اور وحشت صحیح نہیں"

اس کا نتیجہ تھا کہ اس دعوت و تبلیغ میں مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء جامعہ ملیہ اور ان کے ساتھ انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور اساتذہ اور تجارت پیشہ ملازمت پیشہ اور ہر طرح کے کاروباری مسلمان دوش بدوش ہیں۔

مولانا ایک دوسرے کے امتیازی خصوصیت کی خصوصی داد دیتے تھے اور تعریف کرتے تھے کسی کی دین داری، کسی کی سلیقہ مندی کسی کی حاضر دماغی اور تجربہ کاری کی، ہاں ان کے نزدیک ہر فطری صلاحیت دین کے کام میں لگنی چاہیے

تھی اس کو کسی اور مصرف میں صرف ہوتے دیکھ کر ان کو بڑا دکھ اور درد ہوتا تھا ان کے نزدیک جن لوگوں کو اللہ نے اچھا دل و دماغ، چستی اور مستعدی اور بلند ہمتی دی ہے ان کی توجہ کا دین، دنیا سے زیادہ مستحق ہے اور ان کی توجہ سے دین کا بڑا کام بڑی تیزی اور قوت سے ہو سکتا ہے ایک دین دار اور معاملہ فہم تاجر کو لکھتے ہیں

"میں آپ جیسے سب احباب اور بزرگوں سے طالب ہوں کہ آپ میرے معین اور مددگار بلکہ اس کے اندر ایک ہمت مردانہ سے کھڑے ہوں کہ آپ ہی اصلی ہوں کیوں کہ آپ کی ہمت، آپ کا حوصلہ، آپ کی قوت، آپ کی طبیعت، آپ کا دماغ اس کا قابل تھا اور اس کی اہلیت رکھتا تھا کہ کسی جاندار کام کو آپ اٹھالیں، جاندار کام کے لئے جان دار ہی اہل ہوں"

تمام افراد اور جماعتوں کے متعلق مولانا کا یہی خیال تھا۔

اداروں کے علاوہ روحانی سلسلوں اور مشائخ طریقت کے متبعین کے متعلق بھی مولانا کی وسعت قلب کا یہی حال تھا کسی شیخ طریقت کے متبعین اس کام کی طرف توجہ کرتے تو آپ بیحد خوش ہوتے اور ان کا بڑا اکرام ہوتا، میں نے

مجددی طریقہ اور کبھی مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کے سلسلے سے تعلق رکھنے والوں سے تعارف کرایا۔
تو بہت زیادہ مسرور ہوئے اور ان کا بڑا اکرام کیا اور فرمایا
کہ میں اپنے بچپن ہی سے بزرگوں سے سن رہا ہوں کہ اس
زمانہ کے دو قطب تھے۔ پچھم میں حضرت گنگوہیؒ اور
پورب میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ۔ میری بڑی
آرزو ہے کہ مولانا رح کے لوگ میری طرف متوجہ ہوں

ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے اہل
تعلق میں سے ایک مشہور ہستی کے متعلق (جن کو دنیاوی وجاہت
اور ریاست بھی حاصل ہے اور جن کے دنیاوی کمالات
کے لئے ان کی امارت پردہ بن گئی ہے فرمایا کہ میں ان کو
اہل اللہ میں سے جانتا ہوں اور مجھے بارہا اس کام کی طرف
ان کی توجہات منعطف کرانے کی طرف متوجہ فرمایا۔

نامور معاصرین اور اہل فضل کے متعلق کبھی اظہار
خیال فرمایا تو ان کے اعلیٰ درجہ کی مرتبہ شناسی، بالغ نظری
اور دقیقہ رسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسی وسعت قلب اور وسعت نظر کا یہ نتیجہ تھا کہ انھوں
نے ایسے لوگوں سے کام لیا اور اہل دین سے ان کا تعلق
پیدا کردیا اور پھر رفتہ رفتہ ان کی زندگی میں تبدیلی

پیدا کر دی جن کے متعلق عام نگاہوں کا فیصلہ یہی ہوتا کہ ان کو قطعاً اس کام سے مناسبت نہیں اور یہ کبھی بھی دین سے قریب نہیں ہو سکتے۔ برابر یہ تماشہ نظر آتا رہتا تھا کہ جن لوگوں کی عدم مناسبت فیصلہ کرتا وہ تھوڑے دنوں میں بڑے کارآمد آدمی بن جاتے وہ ہر شخص سے ایک ہی درجہ اور ایک ہی مقدار کا مطالبہ اور اس کا اصرار نہ کرتے ہر شخص کے حسب حال اور اس کی سطح اور اس کی مخصوص حالت اور صلاحیتوں کے مطابق اس سے دین کی نصرت و تائید کا کام لیتے اور اسکے اس کام پر اتنے ہی شکر گزار ہوتے جتنے دوسروں کی انتہائی جدوجہد اور مشقت پر، اسکے کام کی قیمت کا فراخ دلی سے اعتراف کرتے اور اس کی قدر و قیمت کو بیان کرتے اس کا دل بڑھاتے اور عملی کام کی اہمیت دلاتے۔

سیاست سے پہلے دعوت

مولانا کا ایک مستقل نظریہ بلکہ اسلامی تاریخ کا مولانا کے ذہن میں ایک خلاصہ تھا کہ امت سے عرصہ ہوا سے سیاست کی قوت و اہلیت سلب ہو چکی ہے

اب مدتوں پورے صبر و ضبط کے ساتھ دعوت کے اصول پر کام کرنے کی ضرورت ہے اسکے بعد مسلمانوں میں تنظیم و اطاعت کی قابلیت اپنے نفس کے خواہشات اور اپنے مصالح و منافع کے برخلاف کسی ضابطہ اور قانون کی پابندی میں کام کرنے کی قوت پیدا ہوگی سیاست کی تھوڑی سی مقدار کے لئے دعوت کی بہت بڑی مقدار چاہئے ، دعوت میں جس قدر کمزوری ہوگی اور اس مرحلہ میں جس قدر عجلت اور تیز رفتاری سے کام لیا جائے گا سیاست میں اسی قدر جھول اور بھراؤ پیدا ہوگا یا وہ سیاست وجود میں نہ آسکے گی یا وجود میں آنے کے بعد اس کی عمارت زمین پر آرہے گی۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ خلافت راشدہ کی قوت امر و نظم اور مسلمانوں کے ضبط و نظام اور تعمیل حکم کی قوت نتیجہ تھی اس طویل دعوت کا جو نبوت کے پہلے سال سے شروع ہوکر خلافت راشدہ تک قائم رہی اور بعد کا ضعف اور جماعتی زوال نتیجہ تھا .... دعوت سے اس تغافل کا جو خلافت بنی امیہ و خلافت بنی عباس میں پیدا ہوگیا تھا۔

مولانا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک مقولہ اکثر

دہراتے تھے جو آپ نے حضرت حسینؑ سے بطریق وصیت
فرمایا تھا کہ اب اس امت کا کام بطریق دعوت ہوگا

فضا کی تبدیلی کی ضرورت

مولانا مقامی و جزوی اصلاح کے قائل نہ تھے
وہ فرماتے تھے کہ دور سے فضاء بدلتے ہوئے
اور معروفات پھیلاتے ہوئے آؤ، یہ منکرات اپنی
جگہ بغیر کسی جھگڑے کے مضمحل ہو جائیں گے
معروفات کو جتنا فروغ ہوگا منکرات کا زوال ہوگا

(۴) چند ملفوظات

نماز میں قرآن شریف کی ایک چھوٹی سی سورۃ
فاتحہ کا جتنا ثواب ہے نماز کے باہر اتنا قرآن
شریف کے پڑھنے کا بھی نہیں
پھر جو جماعت لوگوں میں نماز کی تلقین کرے
اس کے اجر کا اندازہ کون لگا سکتا ہے
ہر کام اپنے محل اور موقعہ پر اپنی خاصیت رکھتا

اسی طرح جہاد (دین پھیلانے کی کوشش) ہے
کے دوران میں ذکر کا ثواب گھر بیٹھے یا خانقاہ
میں ذکر کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔
پس دوستو! ذکر کی کثرت کرو

⁂

حضرت مولانا یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کو لئے ہوئے۔ اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہیں ان کے اعزہ اور متعلقین بھی اپنی خوش دلی، صبر و ہمت افزائی اور قدر دانی سے ان کے اس کام اور اجر و ثواب میں شریک ہوں مولانا پوری امت کے دل میں اس اجر و ثواب کا شوق اور ایمان اور احتساب پیدا کرنا چاہتے تھے اس کی ابتدار آپ نے اپنے گھر سے کی۔

حجاز سے آپ نے اپنے گھر کو حسب ذیل خط لکھا۔

"تم خیال کر کے دیکھو کہ دنیا وی غرض کی وجہ سے لوگ اپنے اہل و عیال کو کتنی مدت سے چھوڑتے ہیں۔ خیال تو کر کے دیکھو کہ اسوقت بھی کفار کے لشکر میں ہزار دل مسلمان سر بکف جان خطرہ میں ڈال کر محض ایک پیٹ کے کارن ہر وقت سدا

کو دنیا سے چلے جانے کے لئے موت کے
کنارہ پر ہیں۔ ایسی کم ہمتی ہرگز نہ چاہئے۔
تم ہمت اور جواں مردی کے ساتھ خوشی سے
میرے دین کی خدمت کے لئے ہجر و فرقت
پر راضی ہو کر چھوڑے رکھو تو خوشی کے بقدر
اجر و ثواب میں شریک رہو گی دنیا میں غنیمت
سمجھو کہ تمہارے گھر والے دین کی خدمت
کے لئے تکلیف اٹھا رہے ہیں، شکر کرو اس
تکلیف کا جب اجر و ثواب ملے گا تو کبھی
ختم نہ ہو گا ایک ایک صدمہ باغ و بہار ہو کر
ملے گا۔

آخر مرض میں ایک روز مولانا عطار اللہ شاہ
بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے فرمایا۔
"میں نے شروع میں مدرسہ میں پڑھایا
(یعنی مدرسہ میں درس دیا) تو طلبہ کا ہجوم
ہوا اور اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ
کثرت سے آنے لگے۔ میں نے سوچا کہ انکے
ساتھ میری محنت کا نتیجہ اس کے سوا اور
کیا ہوگا کہ جو لوگ عالم و فاضل بننے ہی

کے لئے مدرسہ آتے ہیں وہ مجھ سے پڑھنے
کے بعد بھی مولوی عالم ہی بن جائیں گے
اور پھر ان کے مشاغل وہی ہوں گے جو
عام طور سے اختیار کئے جاتے ہیں کوئی طب
پڑھ کر مطب کرے گا کوئی یونیورسٹی کا
امتحان دے کر اسکول کالج میں نوکری
کرے گا اور کوئی مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھاتا
ہی رہے گا اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا
یہ سوچ کر مدرسہ میں پڑھانے سے جی ہٹ
گیا۔

اس کے بعد ایک وقت آیا کہ جب میرے
حضرت نے مجھ کو اجازت دے دی تھی
تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع
کی اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی۔ اللہ
کا کرنا کہ آنے والوں پر اتنی جلدی کیفیات
اور احوال کا ورود شروع ہوا اور اتنی تیزی
کے ساتھ حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے
حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا
ہے اور اس کام میں لگے رہنے کا کیا نتیجہ ہوگا؟

زیادہ سے زیادہ وہ یہی کہ کچھ اصحاب احوال اور ذاکر و مشاغل لوگ پیدا ہو جائیں۔ پھر لوگوں میں ان کی شہرت پیدا ہو جائے تو کوئی مقدمہ جیتنے کی دعا کے لیے آئے کوئی اولاد کے لیے تعویذ کی درخواست کرے کوئی تجارت اور کاروبار میں ترقی کی دعا کرائے اور زیادہ سے زیادہ اُن کے ذریعہ بھی آگے آگے چند طالبین میں ذکر و تلقین کا سلسلہ چلے یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں نے طے کیا کہ اللہ نے ظاہرہ باطن کی جو قوتیں بخشی ہیں ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اسی کام میں لگایا جائے جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں اور خاص طور سے غافلوں میں بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا۔ بس ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب کہتے ہیں یہ کام اگر ہونے

لگے ثواب سے ہزار دل گنا زیادہ مدرسہ اور ہزار دل گنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہوجائیں بلکہ ہر مسلمان مجسم مدرسہ اور خانقاہ ہوجائے اور حضور کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو اسکے شایان شان ہے۔

(۵) (ماخوذ دینی دعوت)

(۵) تبلیغی سفر کے فوائد

تبلیغی سفر کے فوائد

ایسے سفر میں جو دینی برکات، علمی فوائد اخلاقی تربیت، اصلاح نفس جو قلب و دماغ پر اچھے تاثرات ہیں ان کو تحریر میں لانا مشکل ہے، کیفیات و جذبات تو قطعاً تحریر میں نہیں آسکتے۔ ایثار رفقار کی خدمت، ادار حقوق حسن معاشرت امارت اور دوسرے فرائض کی ادائیگی، ذمہ داری کا احساس متعدی

اور حاضر دماغی، مختلف طبیعتوں اور مزاجوں کے ساتھ
گذارا یہ سب وہ اسلامی زندگی کے وہ شعبے ہیں جن کے
احکام ہم صرف قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں میں
اور ان کے واقعات صرف سیرت و تاریخ کے اوراق
میں پڑھتے ہیں لیکن مدتوں سے ہماری شہری کی ساخت
ایسی بن گئی ہے کہ ان میں سے بعض چیزوں کی عمر بھر
نوبت نہیں آتی ہمیں اس کا کوئی عملی تجربہ نہیں ہے
اور بعض اوقات جب ان کا کوئی موقع آجاتا ہے
تو ہم ان کے بارے میں ناکام رہتے ہیں لیسا اوقات
ایک تبلیغی سفر میں ان میں سے اکثر ان میں سے سب
چیزوں کی نوبت آجاتی ہے اور ان کی کوئی تعلیم
ہو جاتی ہے

پھر دین کو عملی طور سے برتنے، مختلف لوگوں کے
ساتھ معاملہ کرنے، خوش سلیقہ دینداروں اور
اہل علم کے ساتھ رہنے اور سیرت نبوی صلے اللہ علیہ
وسلم اور صحابۂ کرام کے حالات کا مطالعہ کرنے سے
دین کی حکمت اور سلیقہ کے ساتھ عام عقل اور سلیقہ بھی
پیدا ہو جاتا ہے اور آدمی کا فہم اور ذکاوت حِس
بھی ترقی کرتی ہے۔ بعض دوستوں کو اپنے زنقا میں اس ترقی کا
احساس ہوا ہے اور انہوں نے خطوط میں اس کا تذکرہ کیا ہے ۔

تبصرے اور اہم مضامین بسلسلۂ تبلیغ

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ارشادات کے آئینہ میں!

از حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب (لائل پور)

ہمارے بہت سے ناظرین حضرت مفتی صاحب سے شاید واقف نہ ہوں۔ آپ پاکستان کے معروف علماء و اصحاب فتویٰ میں سے ہیں، تبلیغی کام سے آپ کا تعلق بہت عمیق اور قدیم ہے اس کام ہی کے سلسلہ میں چند سال آپ کا قیام حجاز مقدس رہا ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتمدین میں سے تھے اور حجاز مقدس کے سفروں اور پاکستان کے دوروں میں عموماً حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ رہتے تھے ❖

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

حضرت جی علیہ الرحمہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ کام یہ ہے کہ کام کرنیوالے کا اس ذات پر یقین قائم ہو جائے جس کے کرنے سے کام ہوگا یعنی اللہ جل شانہٗ کی ذات پر اور اس کی حیثیت کام کرنیوالے پر ایسی منکشف ہو کہ اپنی ذات اور کوئی دوسری ذات نہ دکھائی دے۔ دوسرا یقین یہ ہو کہ جب ظاہر و باطن سے حضور کے طریقوں پر آجاؤں تو اللہ رب العزت دنیا اور آخرت میں اچھے حالات لائیگا۔ حضرت جیؒ کے ذات میں یہی یقین اتنا نمایاں نظر آتا تھا کہ معمولی استعداد کے آدمی بھی محسوس کر لیتے تھے کہ خدا کے اس بندے کے نزدیک حکومت، مال و دولت اکثریت اور کسی بھی طاقت سے قطعاً کچھ نہیں ہوتا ایک دن ڈھاکہ میں وہاں کے خواص کے ایک اجتماع میں فرمانے لگے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں اتنا فرمایا تھا کہ کل بتاؤں گا اس پر وحی آئی وَلَا تَقُولَنَّ بِشَیْءٍ اِنِّی فَاعِلٌ ذَالِکَ غَدًا اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ ۔ اور تمھاری زبان پر ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا اور ہم یہ کر رہے ہیں اور ہم یہ کریں گے۔ وہ کریں گے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم اگر مرنا چاہو تو اپنے ارادہ سے مر بھی نہیں سکتے۔ خَلَقَ کی صفت صرف خالق ہی ہے پوری مخلوق اپنی پیدائش ترتیب اور بقا میں اور ہر ہر مرحلہ پر خالق کی محتاج ہے ایک مرتبہ تقریر کے بعد ایک صاحب نے کہا حضرت! یہ کام تو اچھا ہے مگر عالم میں پھیلا ہوا بگاڑ اس سے

کیسے درست ہوگا؟ اس پر فرمایا۔ اگر میرے یا آپکے یا جماعت کے کرنے پر ہوتا ہے تو سوچنے کی بات تھی جب خدا کے کرنے سے ہونا کہہ رہا ہوں تو پھر اشکال کیا ہے؟ کیا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ کام خدا کیسے کریگا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر بننا شروع کردو جتنا بننا ہوگا بن جائیگا اور جو بننے والا نہیں ہوگا اور بننے والے کے لئے رکاوٹ بنیگا خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو خدا کے نزدیک ان کی حیثیت مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں اس دنیا میں پاکیزہ انسان کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لٹک گئے تھے جب حضورؐ کی سعی سے پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا نے عذاب کی ایک جھاڑو سے روم اور فارس کے جالے صاف کردیئے تھے بالکل یہی صورت روس اور امریکہ کی ہوگی۔

ایک دفعہ فرمایا کہ ایٹم بم سے ڈرنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین اپنے پتھروں کے بتوں سے ڈرتے اور امید رکھتے تھے۔ ایٹم اور ایٹم والوں کی گردنیں قدرت کے ہاتھ میں ہے ایٹم سے وہ ہوگا جو خدا چاہے گا۔ فرعون بھی وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ کہا کرتا تھا مگر خدا نے اسی پانی کو اسکے گھر کی بربادی کا سامان بنا دیا۔ **حضرتجی** رح کے دل کی گہرائیوں میں خدائے ذوالجلال کی صمدیت کا یقین اتنا بھرپور معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک ہر زمانہ کی کائناتی[1] اسباب کا وجود و عدم[2] برابر تھا۔ فرماتے تھے کہ جب کچھ نہ تھا تو خدا نے سب کچھ بنا دیا اور آخر میں کچھ نہ رہیگا اور پھر سب کچھ بنائیگا وہ پیدا کرنے میں ماں باپ کا محتاج نہیں ہے آدم حوا اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اس کی دلیلیں ہیں نیز قیامت کے دن بارش

[1] پیدا کی ہوئی چیزوں کے اسباب [2] ہونا نہ ہونا ۱۲

انگوروں کیطرح نکلتے چلے آئیں گے۔ وہ چاہے تو سامان ہلاکت اور ذلت ہی
ہوگی اور انسان
کو سامان تربیت اور ذلت بنادے۔ ابراہیم کیلئے آگ کو یونس کے لئے مچھلی کے پیٹ
کو اسماعیل کیلئے زندگی کے اسباب سے خالی لق و دق بیابان کو یوسف کیلئے کنویں کو
اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غار ثور کو حفاظت و عزت اور تربیت کا سامان
زبنادیا۔ فرماتے تھے میں دنیا کو دار الاسباب مانتا ہوں مگر انسانوں کی اجتماعی و
انفرادی کامیابی سکون تمکن محبوبیت مرجعیت قوت اور تمام اچھے حالات کا واحد سبب
حضور کی آمد کے بعد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر سے صادر ہونے والے
اعمال ہیں جب کسی فرد خاندان اور طبقہ جماعت قوم یا ملک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
والے اعمال آجائیں گے تو خدا ان کو دارین میں کامیاب کریگا اُن کے پاس کائناتی
اسباب ہوں یا نہ ہوں۔ بہرحال بڑا یمن مدرسہ میں بخاری کے ختم پر فرمایا کہ
بھائیو! آپنے بخاری ختم کی، علم حاصل ہوا، اب اسی علم پر تین مقصدوں کیلئے
علم ضروری ہے ۱ اس علم کے مطابق اپنے اندر کا یقین ۲ اس علم کے مطابق عمل
۳ اور اس یقین و عمل کو عالم میں پھیلانا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے
علم پر ان تین پہلوؤں پر ابتداء میں محنت کی گئی تو اس زمانہ کے کائناتی نقشوں
پر چلنے والا باطل روس و فارس پاش پاش ہوگیا اور آخر میں دجال اپنی ذات
سے اتنی بڑی طاقت کا مظاہرہ کرے گا کہ اس کے مقابلہ میں موجودہ طاقتیں کچھ
بھی نہیں اسوقت مہدی علیہ السلام زمین سے اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں
گے اور مومنین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے کے مطابق اس علم پر
محنت کریں گے اس پر اللہ جل جلالہٗ اس دجالی طاقت کو ہلاک کر دے گا۔

اور جب یہ پہلے ہو چکا اور آخر میں بھی ہوگا تو پھر یہ وسوسہ کیوں ہو کر درمیان میں
کیسے ہو سکے گا آج بھی وہ سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ ایک معتد بہ طبقہ اس
علم پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی طرح محنت کر ڈالے۔ حضور صلے اللہ
علیہ وسلم سے صادر ہونے والے اعمال میں تغیر کا ذریعہ بنایا ہے۔
صلوۃ الاستسقاء زمین کے حالات میں تغیر کا ذریعہ ہے صلوۃ الکسوف اور صلوۃ الخسوف
چاند و سورج کے حالات بدلنے کیلئے ہے۔ دعا اور صلوۃ الحاجۃ ہر قسم کے انفرادی
اجتماعی اور ناموافق حالات بدلنے کیلئے ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے
اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کر کے یہی ظاہر کیا گیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے صادر
ہونے والا عمل اتنا طاقتور ہے اور یہ اشارہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تکوینی عمل
ہے تشریعی عمل اس سے بھی طاقتور ہے اسوقت حکومتی نقشوں والوں کی منت
اور خوشامد ہو رہی ہے کہ ہمارا علم چلا دو، میں کہتا ہوں قرآن و حدیث
ان کی منتیں کرنے نہیں آیا۔ قرآن تو ان نقشوں والوں کے وجود و عدم اور
ذلت و عزت کا فیصلہ کرنے آیا اس کے ساتھ حضرت جیؒ کی ایک ایک بات سے
اس کامل یقین کا بھی ظہور ہوتا تھا کہ حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) والے اعمال
کے بغیر کبھی بھی دنیا و آخرت میں کامرانی نصیب نہیں ہو سکتی چاہے کائناتی اسباب
کتنے ہی ہاتھ آجائیں بلکہ کائناتی اسباب حکومت، تجارت، زراعت وغیرہ میں
جب تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم والے اعمال کی روح نہ آجائے اور یہ اسباب
مردہ۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو انسان خالق کائنات اور اصل کائنات آں
حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جانے اور مانے بغیر کائنات کی چیزوں میں گھستے ہیں

رکھتے ہیں ان کی حیثیت چوروں اور ڈاکوؤں کی ہے انھیں مال ودولت تو مل سکتی ہے مگر سکون اور محبوبیت ہرگز ہرگز نہیں مل سکتی اور یہ بھی فرماتے تھے کہ خود کائنات کی بقا صرف اسی وقت تک ہے جب تک اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اعمال موجود ہیں جب ان کے اعمال میں سے کوئی بھی عمل نہ رہے گا اس وقت اس مردہ کو دفن کردیا جائے گا۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ الآیۃ۔

اور اسی بنیادی یقین کی بنا پر فرماتے تھے کہ نماز صرف اعمال نبوت کا مجموعہ ہے لیے تمام کائناتی عمل کو چھوڑ کر بلکہ ان سے دور ہو کر مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے اور نماز میں کائناتی اعمال، تجارت وغیرہ کو صرف چھوڑنے کا حکم نہیں بلکہ نمازیوں کا خیال کرنا بھی ممنوع قرار دیا اور پوری کائنات سے یکسوئی والے عمل کی طرف حَیَّ عَلَی الْفَلَاح سے پکارا گیا۔ یہ عمل گویا اس یقین کی مسلسل مشق کراتا ہے کہ کامیابی کا دار و مدار صرف اعمال نبوت پر ہے اور اعمال نبوی کے ساتھ اس درجہ یقین رکھنے والے کو جو شغف اور اہتمام علوم نبوی کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

ایک دفعہ علماء کی تعلیمی حلقہ کے ختم پر فرمایا کہ جس میں حضرت مولانا عبید الحق مدنی بھی موجود تھے کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات یاد کرانے پر لگا دیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ التحیات یاد کرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو اسلئے کہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں سے ایک علم ہے اُسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہ رہے گا اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا

یہ درجہ بھی ماہرین بخاری کی نگرانی میں ہوا۔ اسی بنا پر حضرت جی انتہائی اہتمام سے تمام چھوٹوں بڑوں سے چاہتے تھے کہ تعلیم کے حلقوں میں بیٹھیں اور انتہائی احترام اور توجہ سے سنیں۔ ایک دفعہ فرمایا جب قرآن پڑھنے یا سننے بیٹھو تو یوں سمجھو کہ خدا مجھ سے مخاطب ہے اور جب حدیث سننے بیٹھو تو یوں سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مخاطب ہیں۔ ایک یہ بات بھی حضرت جی کے لئے آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر اور بدیہی اور ناقابل شک تھی کہ جب تک مذکورہ بالا یقین اور علم نیت کے مطابق عبادات درست نہ ہو جائے اسوقت تک اخلاق نہیں آتے ہیں۔ اور جب تک ہم میں اخلاق نہیں آتے ہیں دوسروں میں دین نہیں پھیلے گا۔ اور فرماتے تھے کہ اغراض کے لئے کسی سے کوئی سلوک کرنا اخلاق نہیں ہے بلکہ کوئی کام جب تک اسمیں اخلاص نہ ہو اس کی قطعاً کوئی قیمت نہیں۔ ایک دن ایک مجلس سے اٹھے اور میرے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا مفتی صاحب اعمال اخلاص کے بغیر مردہ ہی تو ہے اور دیکھو گھروں، بازاروں، دفتروں، یہاں تک کہ ایسے مدارس و مساجد میں بھی ایسے مرداروں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔

۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء چہارشنبہ کی صبح وصال سے صرف دو دن پہلے فرمایا اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی نیت سے کرنا نفسانیت ہے۔ مال مل جائے، مال بڑھ جائے لوگ تعریفیں کریں، بڑا بن جاؤں شہرت مل جائے عہدہ مل جائے اور میری بات چلنے لگے میری حیثیت مانی جائے میری رائے پوچھی جائے اس غرض کیلئے عمل کرنا ہرگز اخلاق اور اہمیت نہیں ہے یہاں تک کہ مخلصین خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس موعود کیلئے بھی عمل نہیں کرتے اسلئے کہ موعود موعود ضرور ہے مگر مقصود نہیں

اور جو موعود کو مقصود بنا کر کرتے ہیں وہ موعود ہی میں پھنس جاتے ہیں
اور جو لوگ صرف رضاء الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں ان پر جب خدا کے
مواعید پورے اترتے ہیں اور مال و ملک کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو
اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے محض رضاء الٰہی کے لئے خرچ کر دیتے
ہیں جیسے صحابہؓ نے کیا تھا

ادھر کئی سال سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معاشرت پر نہایت
اچھوتے اور محبت بھرے انداز میں تفصیلی گفتگو فرماتے تھے اور اس کے
مقابل جب موجودہ معاشرت کا ذکر آتا تو معلوم ہوتا کہ اس معاشرہ کی ایک ایک
چیز میں انھیں کھلے مفاسد نظر آتے تھے اور بعض چیزیں ایسی غلاظت ہیں کہ ان سے
انھیں گھن آرہی ہے

ایک دفعہ فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کی بنیاد پاکیزگی، سادگی
اور حیا پر ہے اور یہود و نصاریٰ کی لائی ہوئی معاشرت کی بنیاد بے حیائی اسراف
اور تعیش پر ہے تمھیں ان کی معاشرت پسند آنے لگی جنھوں نے تمھارے
اسلاف کے خون بہائے عصمتیں لوٹیں، ملک چھینیں اور اب بھی تمھیں ملاد
دیکر اس طرح پامال کر رہے ہیں جس طرح تم مرغیاں پالتے ہو (یعنی ذبح کرنے
کے لئے) اور جس نے تمھارے لئے خون بہایا، دانت شہید کرائے، حمزہؓ جیسے
جیسے چچا شہید کرائے تمھارے لئے راتیں جاگتے گزاری ان کی معاشرت
تمھیں پسند نہ آئی، دوستو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کی ایک ایک
چیز پیاری لگے گی۔ دعوت کے عمل کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تمام اعمال نبویؐ

میں زیادہ طاقتور اور انبیاء کا مقصدِ حیات یقین کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ انبیاء کا خاص الخاص عمل ہے۔ انبیاء والی مددیں اسی عمل کے ساتھ ہیں بشرطیکہ یہ عمل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو۔

حضرت جی رح اس عمل کے لئے ہر طرح انتہائی قربانیاں چاہتے تھے اور بڑھ چڑھ کر بڑھنے کی دعوت دیتے تھے اسوقت عام دعوت یہ تھی کہ وقت کا تہائی حصہ یعنے ہر سال میں چار مہینہ بیرونی نقل و حرکت میں صرف کئے جائیں باقی آٹھ مہینے اپنے مقام پر اس طرح گزارے جائیں کہ آدھا وقت مسجد اور اس کے اعمال میں صرف ہوں اور باقی آدھا وقت گھر اور اس کی ضروریات کو دیا جائے۔ ایک دفعہ یہ انہوں نے فرمایا اس کام کو اصل کام بنا دو اور بقیہ کاموں کو اس کی سلوٹوں میں کرنا سیکھو اور چاہتے تھے کہ ہر گھر اور ہر محلہ، ہر شہر ہر ملک اس دعوت کا میدان بنے،

خدا کا شکر ہے کہ ان کی دعوت کے کچھ حصوں پر کچھ لوگوں نے لبیک کہا رب کریم مرحوم و مغفور کی وہ ساری آرزوئیں پوری فرمائیں جو ان کے پاکیزہ دماغ میں آئیں آمین !!!؟

وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ